12

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

29 مارچ تا 4 اپریل 2007ء

www.tanzeem.org

اس شمارے میں

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

توبہ کے تقاضے

اتباعِ رسول ﷺ

دعوت کا مقام اور اُس کے تقاضے

امریکہ مسلمانوں کا دشمن کیوں؟

سلطنتِ عثمانیہ کا عروج و زوال

حکمتِ عملی

تفہیم المسائل

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

عالم اسلام

سیرتِ رسول ﷺ

ایک غیر مسلم کی نظر میں

اگر عظمت اس بات میں ہے کہ سر سے پاؤں تک بربریت میں غرق اور چاروں طرف سے اخلاقی ظلمتوں میں گھری ہوئی قوم کی تطہیر کی جائے تو پھر اس عظیم متحرک شخصیت نے عرب قوم کو جو ذلت کے گڑھے میں گری ہوئی تھی، پاک صاف کر کے شائستہ اور مہذب بنایا اور اس کے ہاتھ میں علم اور تہذیب کی مشعل دی، اس لئے وہ عظمت کے پورے پورے حق دار ہیں۔

اگر عظمت اس بات میں ہے کہ معاشرے کے مختلف عناصر سے اختلاف کو دور کر کے محبت کے رشتے استوار کیے جائیں اور ان میں احسان یعنی رحم اور ہمدردی کی روح بھر دی جائے تو اس پیغمبر صحرا (ﷺ) نے درحقیقت ایسا کر دکھایا اور وہ اعلیٰ ترین اعزاز کے مستحق ہیں۔

اگر عظمت اس بات میں ہے کہ پستی اور ذلت لانے والی رسوم اور اوہام سے لوگوں کو نجات دلائی جائے تو پیغمبر اسلام (ﷺ) نے بلاشبہ یہ بھی کر دکھایا۔

اگر عظمت اخلاق حسنہ میں ہے تو محمد (ﷺ) بلاشک وشبہ دوستوں اور دشمنوں دونوں کی نظر میں صادق اور امین تھے۔

اگر عظمت فاتح کے لئے ہے تو پھر حضور (ﷺ) ایک ایسے فاتح ہیں جنہوں نے یتیمی سے ابھر کر عرب میں قیصر وکسریٰ کی ہم سر ایک عظیم اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

اگر عظمت کا معیار یہ ہے کہ لیڈر سے اس کے پیروکار بہت عقیدت رکھتے ہوں تو اس سلسلے میں ان کا نام نامی آج بھی کروڑوں انسانوں کے دل وجان پر جادو کا سا اثر رکھتا ہے۔

پروفیسر راما کرشنا راؤ

الھدیٰ (272)

سورۃ المائدہ

(آیت: 78 تا 81)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝﴾

’’جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤدؑ اور عیسیٰؑ بن مریمؑ کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اِس لئے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے‘ (اور) بُرے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔ بلاشبہ وہ بُرا کرتے تھے۔ تم اُن میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ اپنے واسطے آگے بھیجا ہے بُرا ہے (وہ یہ) کہ اللہ اُن سے ناخوش ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں (مبتلا) رہیں گے۔ اور اگر وہ اللہ پر اور پیغمبرؐ پر اور جو کتاب اُن پر نازل ہوئی تھی اس پر یقین رکھتے‘ تو اُن لوگوں کو دوست نہ بناتے‘ لیکن اُن میں اکثر بدکردار ہیں۔‘‘

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا اُن پر داؤدؑ اور عیسیٰؑ کی زبان سے لعنت کی گئی۔ کیونکہ اُن کا کردار گھناؤنا اور قابلِ نفرت تھا۔ Old Testament پڑھیں تو وہاں داؤدؑ نے اُن پر بہت لعن طعن کی ہے اور خاص طور Gospel کے اندر حضرت مسیحؑ نے یہودیوں پر سخت تنقیدیں کی ہیں اور اُن کے علماء‘ احبار اور صوفیاء کو سانپ کے سنپولیے کہا ہے‘ اور کہا ہے کہ تمہارا حال ایسا ہے جیسے قبریں ہوتی ہیں کہ اُن پر اوپر سے سفیدی پھری ہوتی ہے اور اندر گلی سڑی ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ تم نے اپنے اوپر مذہبی لبادے اوڑھے ہوئے ہیں‘ تمہاری عبائیں اور قبائیں دلکش ہیں مگر تمہارے اندر خباثت بھری ہوئی ہے۔ تمہیں حرام حلال کی تمیز نہیں۔ تم مچھر چھانتے ہو اور سموچے اونٹ نگل جاتے ہو۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر تو بڑی بڑی بحثیں کرتے ہو جبکہ بڑے بڑے گناہ کھلے بندوں ہو رہے ہوتے ہیں‘ اور تمہیں اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ افسوس کہ علمائے یہود کا نقشہ ہمارے ہاں بھی علمائے سوء پیش کر رہے ہیں۔

یہود اس لعنت کے مستحق اس لئے ہوئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حدود سے تجاوز کر گئے۔ یہ لوگ ایک دوسرے کو اُن منکرات سے روکتے نہیں تھے جو وہ کرتے تھے۔ سو بہت بُرا طرزِ عمل تھا جو انہوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ جس معاشرے میں نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہ کیا جائے وہ پورا معاشرہ سنڈاس ہو جاتا ہے۔ برائیوں سے روکنے کا عمل تو ماحول کو صاف ستھرا بناتا ہے۔ جب افرادِ معاشرہ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے ہیں‘ غلطی اور خرابی سے آگاہ کرتے ہیں‘ برے انجام سے ڈراتے ہیں‘ تو اس سے معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر تنقید نہ ہو‘ احتساب کا عمل ختم ہو جائے تو معاشرہ فساد کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

اہلِ کتاب میں سے بہت سوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ کافروں کے حمایتی بنتے ہیں اور خود اُن کی حمایت تلاش کرتے ہیں۔ بہت ہی بری کمائی ہے جو اُن کے نفسوں نے آگے بھیجی ہے۔ اُن کے سارے کرتوت اللہ کے ہاں جمع ہو رہے ہیں۔ اُن کا وبال ان پر ضرور آئے گا اور وہ یہ کہ اُن پر اللہ کا غضب ہو گا اور وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے عذاب میں بتلا رہیں گے۔ اور اگر یہ لوگ اللہ پر‘ نبی پر اور اُس پر جو نبی ﷺ پر نازل کیا گیا ایمان لاتے تو پھر یہ کافروں کو ہرگز اپنے ولی (دوست) نہ بناتے‘ لیکن ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔

فرمانِ نبویؐ

اسلام کا نظامِ حکومت شورائی ہے

چودھری رحمت اللہ بٹر

عَنْ عَلِيٍّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((لَوْ كُنْتُ مُؤَمِّرًا اَحَدًا دُوْنَ مَشْوَرَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ لَاَمَّرْتُ ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ)) [مسند احمد]

حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اگر میں مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی کو امیر مقرر کرتا تو عبداللہ بن مسعودؓ کو امیر بناتا۔‘‘

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حکومت کا نظام شورائی ہونا چاہیے۔ ریاست کے سربراہ کا تقرر سب مسلمانوں کے مشورے اور رائے سے عمل میں آئے۔ کیونکہ اسلام میں بادشاہت اور آمریت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے اسلام کے نظامِ حکومت اور سیاست کا یہ بنیادی اصول بتا دیا ہے کہ کسی شخصِ واحد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی مرضی اور مشورے کے بغیر اقتدار پر قبضہ کر لے اور طاقت کے بل بوتے پر اپنی رائے کو مسلط کرنے کی کوشش کرے۔ یہی وجہ تھی کہ نبی ﷺ نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا بلکہ اس معاملہ کو امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا تاکہ باہمی مشورے کے بعد جس کو اہل سمجھیں‘ حاکم بنا لیں۔

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 16 — 29 مارچ تا 4 اپریل 2007ء — 9 تا 15 ربیع الاول 1428ھ — شمارہ 12

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد **طابع**: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور۔54000
فون: 6316638 - 6366638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور۔54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

ادارہ کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللہ رب العزت کی تخلیق کا ذروۂ سنام کون ہے۔ حسن خلق کی انتہا کون ہے۔ بندگی کی معراج کون ہے۔ کائنات میں بے مثل کون ہے۔ حکمت اور دانائی کے بلند ترین مقام پر کون فائز تھا۔ کس کی رسائی وہاں تک ہوئی جہاں پہ فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں۔ آدم و حوا کی اولاد میں سے وہ واحد ہستی کون سی ہے جس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، دیکھنا سننا، رہنا سہنا اور پہننا اتارنا تاریخ نے مقدس امانت کے طور پر محفوظ کر لیا۔ وہ کون ہے جس کی تجارت دیانت کا سمبل تھی۔ وہ کون سی ہستی تھی جس کی امانت داری کی قسم اُس کی جان کے دشمن بھی کھاتے تھے۔ غریب کی پشت پناہی، یتیم کی سرپرستی، بچوں سے شفقت، بڑوں کی عزت و احترام، بیمار کی تیمارداری میں کون انسانوں میں سرفہرست ہے۔ عورتوں کے حقوق اور غلاموں سے اچھے سلوک کا دنیا میں مبلغ اعظم کون ہے۔ عہد نبھانا، وعدہ وفا کرنا دنیا کو کس نے سکھایا۔ وہ کون سی ہستی ہے جس کی زبان پر صرف حق جاری ہوتا، جس سے صرف عدل کا صدور ہوتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے اِس پرچۂ سوالات کا جواب دنیا کا آسان ترین کام ہے جس کے لیے ایک لمحہ سوچ بچار کی ضرورت نہیں۔ یقیناً یہ وہی ہستی ہے جس پر کائنات کے خالق و مالک نے خود درود بھیجا' لیکن مقامِ افسوس ہے کہ محبت کے تقریری اور تحریری دعووں کے باوجود اِس مقدس ہستی کے فرمودات پر عمل اور اُس کی سنت کی پیروی مسلمان کے لیے مشکل ترین کام بن گیا ہے۔ کمالِ مہربانی سے ماہ ربیع الاول حضور ﷺ کو الاٹ کر دیا گیا ہے جب بھی نعت ہوگی' آپ ؐ کے اوصافِ حمیدہ کا چرچا ہوگا' لیکن فرد اور معاشرہ کی سطح پر کوئی عملی تبدیلی رونما نہیں ہوگی۔

12 ربیع الاول پہلے بارہ وفات کہلاتی تھی پھر عید میلاد النبی بن گئی لیکن ہم اِس بحث میں نہیں الجھتے کہ آپ ﷺ سرکار کی حقیقی تاریخ پیدائش یہی ہے یا نہیں، مؤرخین کی اکثریت ربیع الاول کی مختلف تاریخیں بتاتی ہے۔ بعض محققین ربیع الاول کے علاوہ دوسرے مہینوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ سید عبدالقادر جیلانی ؒ آپ ؐ کی پیدائش 10 محرم بتاتے ہیں۔ ہم پورے یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ روز قیامت مسلمان سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ بتاؤ ہم نے کس ماہ اور کس دن اپنے محبوب کو دنیا میں بھیجا تھا اور تم نے اُس روز جشن منایا تھا یا نہیں۔ آپ ﷺ پر درود بھیجنا کہ یہ سنت اللہ ہے اور آپ ؐ کے اوصاف اور محاسن کا ذکر کرنا یقیناً کارِ ثواب ہے لیکن اس کے باوجود آپ ؐ کے احکامات پر عمل پیرا ہونے سے گریز کرنا اور سنتِ نبوی ؐ کو اپنانے سے فرار اختیار کرنا کھلی منافقت ہے اور اللہ رب العزت کو منافقت سے شدید نفرت ہے۔ اسی لیے اُس نے جہنم کی بدترین وادی کو منافق کا ٹھکانا بنایا ہے۔ ہم غور کرنے کی تکلیف گوارا کریں تو بڑی آسانی سے اِس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ امتِ مسلمہ آج ذلت و رسوائی سے کیوں دوچار ہے۔ دشمن کا خوف ہمارے اذہان و قلوب پر کیوں مسلّط ہے۔ شکست اور ہزیمت ہمارا مقدر کیوں ٹھہر گیا ہے۔ اس لیے کہ محسن انسانیت ؐ سے ہماری محبت، اطاعت کی آمیزش نہیں رکھتی۔ نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت اللہ کی کبریائی کو دنیا میں کارفرما کرنا اور اُس نظام عدل و قسط کو قائم کرنا تھا جس کے بنیادی قواعد اللہ رب العزت نے اپنی آخری کتاب میں نازل کر دیے تھے۔ پھر یہ کہ امتِ مسلمہ کو امتِ وسط قرار دیا تھا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اِس کا بنیادی فریضہ بنایا گیا تھا۔ لیکن یہ قوم دوسروں کو معروف کا حکم کیا دیتی اور منکر کے راستے کا پتھر کیا بنتی' اس کا اپنا حال یہ ہے کہ ستاون اسلامی ممالک میں سے ایک ملک بھی ایسا نہیں ہے کہ اُسے صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست کہا جا سکے، جہاں ہر کام سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہو کہ اللہ کا حکم کیا ہے' پیارے نبی ؐ کی سنت کیا ہے۔

آخرت میں سرخرو ہونے کے لیے اور دنیا میں عزت و وقار کا مقام حاصل کرنے کے لیے ہمیں سیرت نبوی ؐ سے روشنی حاصل کرنی ہوگی اور صحابہ ؓ کے کردار کا جائزہ لینا ہوگا۔ صحابہ ؓ آپ ؐ کے یوم پیدائش پر جشن تو نہیں مناتے تھے لیکن جہاں حضور ﷺ کا پسینہ گرتا تھا وہاں صحابہ ؓ کا خون گرتا تھا۔ آپ ؐ کے اشارۂ ابرو پر جان کی بازی (باقی صفحہ نمبر 17 پر)

ساٹھویں غزل

(بالِ جبریل، حصّہ دوم)

کمالِ جوشِ جنوں میں رہا مَیں گرمِ طواف — خدا کا شکر سلامت رہا حرم کا غلاف

یہ اتفاق مبارک ہو مومنوں کے لیے — کہ یک زباں ہیں فقیہانِ شہر میرے خلاف!

تڑپ رہا ہے فلاطوں میانِ غیب و حضور — ازل سے اہلِ خرد کا مقام ہے اَعراف!

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب — گرہ کُشا ہے نہ رازیؔ نہ صاحبِ کشّاف

سُرور و سوز میں ناپائدار ہے ورنہ — مَے فرنگ کا تہ جرعہ بھی نہیں ناصاف!

1۔ مطلب یہ ہے کہ مومن جب مقامِ فخر پر فائز ہو جاتا ہے تو اُس کی زندگی میں جذب و مستی کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے' لیکن چونکہ اس کی مستی تمام تر آ گاہی ہوتی ہے' اس لیے وہ ''جوشِ جنوں'' کے کمال میں بھی شریعت کی پابندی سے غافل نہیں ہوتا اور اس کے کسی قول یا فعل سے حرم کے غلاف (احکامِ شریعت) کی توہین نہیں ہوسکتی۔

2۔ اس شعر میں طنز کا رنگ پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فقہاء چونکہ عموماً ظاہر بین ہوتے ہیں' اس لیے اربابِ طریقت پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں۔

3۔ اقبال نے پہلے مصرعے میں افلاطون سے فردِ معین مراد نہیں لیا ہے' بلکہ خدا پرست فلسفیوں کی پوری جماعت مُراد لی ہے جو وجودِ باری تعالیٰ کو عقلی دلائل سے ثابت کرتی ہے۔ غیب سے مُراد ہے شک' اور حضور سے مراد ہے یقین' اعراف کا لفظ سورۃ الاعراف کی آیت 46 سے آیا ہے' جس کا ترجمہ یہ ہے ''ان دونوں (یعنی بہشت اور دوزخ) کے درمیان (اعراف نام کی) ایک دیوار ہوگی اور اعراف پر کچھ آدمی ہوں گے جو سب کو ان کی صورتوں سے پہچان لیں گے۔''

شعر کا مطلب یہ ہے کہ حکماء اور فلاسفہ چونکہ عقل کو اپنا رہنما بناتے ہیں' اس لیے اُن کے دل میں یقین کی کیفیت کبھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ ان کی حالت عموماً یہ ہوتی ہے کہ عقلی دلائل سے کبھی تو اُن کے اندر وجود باری تعالیٰ پر یقین کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور کبھی وہ شکوک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یقین کامل' جس میں شک کی گنجائش نہ ہو' صرف انبیائے کرامؑ کی اتباع سے نصیب ہوسکتا ہے۔

4۔ امام رازیؒ کا تعارف کسی سابقہ شعر کی تشریح میں ہو چکا ہے۔ ''صاحبِ کشّاف'' سے مُراد: زمخشری ہیں جو تفسیر' حدیث' فقہ' اصول' عقائد' کلام' نحو' لغت' معانی اور بیان میں اپنے وقت کے امام گزرے ہیں۔ یُوں تو انہوں نے ہر فن میں اپنے کمالات کا اظہار کیا ہے' لیکن اُن کی تین کتابیں بہت مشہور ہیں: تفسیر میں ''کشاف'' لغت میں ''اساس البلاغۃ'' اور نحو میں ''المفصل''۔ علماء کی رائے میں دنیائے اسلام میں صرف دو شخص ایسے گزرے ہیں جو عربیت کے لحاظ سے' قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی حقیقت سے آگاہ ہو سکے۔ ایک شیخ عبدالقاہر جُرجانی اور دوسرے امام زمخشری۔

اقبال کہتے ہیں کہ اے مردِ مومن' جب تک تیرا ضمیر صحیفۂ آسمانی کے عرفان سے آشنا نہیں ہوتا اور تُو خود اس کے بین السطور کا ادراک حاصل نہ کرے تو خواہ امام رازی ہوں یا علامہ زمخشری کی مشہور تفسیر قرآن ''کشاف'' بھی تجھ پر یہ عقدہ نہیں کھول سکتے' کیونکہ کہ قرآن کی تفہیم محض تفاسیر کی مدد سے ممکن نہیں۔ اس کے لیے تو قلب و رُوح کو اس کا مجو بنانا ناگزیر ہوتا ہے۔

اقبال نے خود بیان کیا ہے کہ میرے لڑکپن کا واقعہ ہے' میں روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ ایک روز میرے والد محترم نے مجھ سے کہا کہ جب تک تم یہ نہ سمجھو کہ یہ قرآن تمہارے قلب پر بھی اُسی طرح نازل ہو رہا ہے' جس طرح رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہُوا تھا' اُس وقت تک تم محض تلاوت سے رُوحِ قرآن سے فیض یاب نہیں ہو سکتے۔

تلاوتِ قرآن کے وقت یہ احساس کہ یہ کلام مجھ پر نازل ہو رہا ہے' اس صورت میں پیدا ہو سکتا ہے' جب مسلمان اللہ کے ساتھ اپنا روحانی رابطہ اُستوار کر لے' جسے تصوف کی اصطلاح میں ''تعلق باللہ'' کہتے ہیں۔ اگر اللہ کے ساتھ قلب کو تعلق پیدا نہ ہو تو یہ احساس ہرگز پیدا نہیں ہوسکتا۔

5۔ تہ جُرعہ کا مطلب ہے تلچھٹ۔ اقبال کہتے ہیں کہ یورپ کی شراب کی تلچھٹ بھی صاف ستھری ہے' اور اس میں مزا بھی بہت ہے' لیکن اس کا سرور اور سوز پائیدار نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ادنیٰ قسم کے مغربی علوم بھی مفید ہیں' لیکن اِن کا فائدہ عارضی ہے' یعنی دنیا کی چند روزہ زندگی تو آرام سے بسر ہو سکتی ہے' لیکن وہ علوم و فنون' اُخروی زندگی میں کار آمد نہیں ہو سکتے۔ بالفاظِ دیگر مغربی علوم سے دُنیا تو درست ہو سکتی ہے' عاقبت درست نہیں ہو سکتی۔

توبہ اور اُس کے تقاضے

سورۃ الزمر کی آیات 53 تا 62 کی روشنی میں

مسجد دارالسلام' باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 2 مارچ 2007ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

توبہ دین کے فلسفہ و حکمت کے اہم مباحث میں سے ہے۔ موجودہ دور میں جب کہ ہم مسلمان من حیث المجموع زبوں حالی کا شکار ہیں' یہ موضوع خصوصی توجہ کا متقاضی ہے۔ توبہ کے حوالے سے قرآن حکیم کے چند مقامات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ اِن میں سے ایک سورۃ الزمر کا چھٹا رکوع ہے۔ اِس رکوع میں ہمارے لئے ایک امید افزا پیغام ہے۔ آج کی نشست میں اِسی رکوع کے حوالے سے گفتگو ہوگی (ان شاء اللہ)

آیئے' اِس رکوع کا مطالعہ کرتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۵۳) ﴾

"(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہونا' اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

اِس آیت کے بارے میں بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ اللہ کی رحمت کے حوالے سے قرآن مجید کی عظیم ترین آیت ہے۔ اِس میں ہمارے لئے امید کا پیغام ہے۔ حد درجہ مایوس انسان بھی جب اِس آیت کو پڑھتا ہے' تو اُس کے دل میں ایک امید جاگ اٹھتی ہے۔ اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ اگر میں سچی توبہ کرلوں تو اللہ میرے گناہوں کو معاف کر دے گا' خواہ وہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ جیسے ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اگر بندۂ مومن کے گناہوں کا انبار احد پہاڑ جتنا بھی ہو تو بھی توبہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرما دیتے ہیں۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں سے فرما دیا ہے کہ تم خواہ کتنے ہی گناہگار کیوں نہ ہو' اپنے گناہوں کا اعتراف کرلو' مجھ سے معافی مانگو' سچی توبہ کرلو' میں تمہیں معاف کر دوں گا۔

اگلی آیت میں اللہ کی شانِ رحمت کے دوسرے پہلو کا تذکرہ ہے۔ یعنی اللہ کی رحمت کیسے حاصل ہوگی۔ اُس کے حصول کا طریقہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ گناہوں کو چھوڑ دو' اپنا قبلہ سیدھا کرلو' اللہ سے لو لگاؤ۔ اس طرح پچھلی آیت میں مغفرت کی امید دلا کر یہاں توبہ کی جانب متوجہ فرمایا۔

﴿ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ ﴾ (آیت:54)

"اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو"

یعنی سب سے منقطع ہو کر' اللہ سے تعلق استوار کرلو۔ دنیا کے تقاضوں' برادری کے رسم و رواج اور نفس کے داعیات سے اعلانِ برأت کر کے اپنا رُخ رب کی جانب کرلو۔ اُس کی طرف سے جو حکم ملے' اُس کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔ اگر تم ایسا کرلو' تو تمہیں ہرگز مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرنے والا ہے۔ مایوسی گناہ ہے۔ جب اللہ کی رحمت کے معاملے میں انسان پر مایوسی طاری ہوتی ہے تو وہ گناہ کے راستے میں اور ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا تھا:

> **اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ بولا' تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ اُن کے منہ کالے ہو رہے ہوں گے۔ کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانا دوزخ میں نہیں ہے**

"بیٹا (یوں کرو کہ ایک دفعہ پھر) جاؤ اور یوسف اور اُس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو' کہ اللہ کی رحمت سے بے ایمان لوگ نا اُمید ہوا کرتے ہیں۔" (سورۂ یوسف)

اور فرمایا:

﴿ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ (۵۴) ﴾

"اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ واقع ہو اُس کے فرمانبردار ہو جاؤ' (ورنہ) پھر تم کو مدد نہیں ملے گی۔"

اللہ کے آگے سر تسلیم خم کرو۔ اُس کی فرماں برداری کرو۔ اسی کا نام اسلام ہے۔ مسلمان وہ ہوتا ہے جو اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دے۔ اللہ کے فیصلے کو دل و جان سے تسلیم کرے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اللہ کے آگے احکام کے سر جھکانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہماری معاشرت غیر اسلامی ہے۔ بے پردگی' بے حیائی اور عریانی کا چلن عام ہے۔ گھر گھر ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعے گانوں کا شور ہے۔ ہمارا اندازِ تعمیر غیر اسلامی ہے۔ ہم اپنے مکانات کی تعمیر کے لئے بھی یورپ کی نقالی ضروری سمجھتے ہیں۔ عام طور پر مکانات کے نقشے ایسے بنائے جاتے ہیں کہ جن میں پردہ داری کے اصول کا بالکل ہی خیال نہیں رکھا جاتا' جو کہ ہماری روایت ہے۔ اپنی معیشت میں ہمیں حلال و حرام کی کوئی پروا نہیں۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ روپے پیسے کے حصول کے لیے ہم ہر قسم کے ناجائز حربے اختیار کرتے ہیں۔ دوسروں کو دھوکہ دینا معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ ملاوٹ کا دھندہ جس پر سخت وعید ہے' جاری بلکہ روز افزوں ہے۔ اب اشیائے خورد و نوش ہی نہیں ادویات بھی ملاوٹ سے محفوظ نہیں رہیں۔ دنیا کے حقیر فائدے کی خاطر منشیات کا کاروبار ہو رہا ہے' جو انسانیت کے قتل کے مترادف ہے۔ فحش سی ڈیز کے مراکز جا بجا پھیلے ہیں' جن کا گھناؤنا کاروبار نوجوان نسل کو بگاڑ اور ہلاکت کی طرف لے جا رہا ہے...... توبہ کا تقاضا یہ ہے کہ ان سب گناہوں کو ترک کر دو۔ موت سے پہلے پہلے اپنی نافرمانیوں سے تائب ہو کر اللہ کی حکم برداری کرو۔ ہر معاملے میں یہ دیکھو کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا حکم کیا ہے' شریعت کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر نافرمانی میں زندگی بسر کرتے ہوئے تمہیں موت آ گئی تو پھر تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچا نہ سکے گا۔ اُس کے مقابلے میں تمہیں کوئی مدد حاصل نہ ہو سکے گی۔ قرآن حکیم میں بار بار اِس بات کی یاد دہانی کرائی گئی ہے۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا:

﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (۱۲۳) ﴾

"اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کے کچھ کام نہ آئے اور نہ اس سے بدلہ قبول کیا جائے اور نہ اس کو کسی کی سفارش کچھ فائدہ دے اور نہ لوگوں کو (کسی اور طرح کی) مدد مل سکے۔"

سورۃ الانعام میں ارشاد ہوا:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ (آیت:164)

"اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

فرماں برداری کا حکم دے کر اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کی فرماں برداری کی صورت کیا ہے؟ فرمایا:

﴿وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾

''اس نہایت اچھی (کتاب) کو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے پیروی کرو اور اس سے پہلے کہ تم پر ناگہاں عذاب آ جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔''

اگر کامیابی چاہتے ہو تو اللہ کے نازل کئے ہوئے کی پیروی کرو۔ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے' اِسی طرح نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے جو نکلا وہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ کیونکہ پیغمبر ﷺ کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے' وہی کہتے ہیں جس کی ان کی جانب وحی کی جاتی ہے۔ پس قرآن حکیم اور سنت رسول کا اتباع کرو۔ اللہ کی رضا اور اُخروی نجات کے حصول کا یہی راستہ ہے' یہی صراطِ مستقیم ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے گناہوں کے سبب تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں کوئی خبر ہی نہ ہو۔

یہ عذاب دنیا میں بھی آ سکتا ہے۔ جیسا کہ اجتماعی جرائم کی پاداش میں سابقہ قوموں پر عذاب آتے رہے اور آخرت میں تو یقیناً گناہوں کی پاداش میں دردناک عذاب کا سامنا کرنا ہو گا۔ جس سے چھٹکارا کی صورت یہی ہے کہ حیات دنیا میں انسان سچی توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرے۔ ورنہ آخرت میں گناہ گار انسان کو شدید حسرت اور پچھتاوا ہو گا' اگلی آیات میں اِسی کا تذکرہ ہے۔

﴿ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾﴾

''کہ (مبادا اس وقت) کوئی متنفس کہنے لگے کہ (ہائے ہائے) اس تقصیر پر افسوس ہے جو میں نے خدا کے حق میں کی اور میں تو ہنسی ہی کرتا رہا۔ یا یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھ کو ہدایت دیتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں ہوتا۔''

اے کاش! میں دنیا میں اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اُس کے احکامات کو نظر انداز اور پامال نہ کرتا۔ اللہ کی جانب سے دی گئی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی استوار کر لیتا' اے کاش! میں نے اللہ کے احکام اور نبی ﷺ کی سنت کا مذاق نہ اُڑاتا اور اس طرح اللہ کے دشمنوں کی حمایت نہ کرتا۔ کبھی وہ یہ خیال کرے گا کہ کاش اللہ خود ہی مجھے راہ ہدایت پر لے آتا' کہ مجھے یہ روزِ بد نہ دیکھنا پڑتا۔

اور جب حسرت اور اعتذار دونوں بے کار ثابت ہوں گے اور دوزخ کا عذاب آنکھوں کے سامنے آ جائے گا تو اُس وقت شدتِ اضطراب سے کہے گا:

﴿اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾﴾

''یا جب عذاب دیکھ لے تو کہنے لگے کہ اگر مجھے پھر ایک دفعہ دنیا میں جانا ہو تو میں نیکوکاروں میں ہو جاؤں۔''

یعنی اگر مجھے ایک مرتبہ دنیا میں واپس جانے کا موقع دے دیا جائے تو یقیناً میں بہت نیک ہو جاؤں۔ اپنے نامہ اعمال کو نیکیوں سے بھر دوں۔ اپنی آخرت کے لئے بہت ذخیرہ اکٹھا کر لوں۔ یاد رکھئے! وہاں نہ تو کوئی عذر مسموع ہو گا اور نہ دوبارہ دنیا میں بھیج کر نیکی کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ انسان کو دنیا میں نیکی کے بھرپور مواقع عطا فرماتا ہے۔ انسان جتنے بھی زیادہ گناہ کرے' اگر سچی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے معافی عطا کر دیتا ہے۔ مگر انسان اِن مواقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ ایک آدمی کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے' وہ موت کو بہت قریب سے دیکھتا ہے' اللہ سے عہد کرتا ہے کہ اگر تو مجھے زندگی دے دے تو میں پوری زندگی تیری فرماں برداری میں گزار دوں گا' لیکن جب اللہ اُسے صحت و تندرستی عطا کرتا ہے' تو اپنے وعدے کو بھلا بیٹھتا ہے' اور پرانی ڈگر پر چلنے لگتا ہے۔ سورۂ فاطر میں فرمایا:

﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۖ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾﴾

''کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو سوچنا چاہتا' سوچ لیتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تو اب مزے چکھو' ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

بہرحال یہ مہلت عمر اللہ تعالیٰ نے اِسی لئے عطا کی ہے کہ آدمی آخرت کے سفر کے لئے زادِ راہ اکٹھا کرے۔ وہاں دوبارہ موقع نہیں ملے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾﴾

''(اللہ فرمائے گا) کیوں نہیں' میری آیتیں تیرے پاس پہنچ گئی تھیں مگر تو نے اُن کو جھٹلایا اور شیخی میں آ گیا اور تو کافر بن گیا۔''

مولانا شبیر احمد عثمانی آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''یعنی غلط کہتا ہے۔ کیا اللہ نے راہ نہیں دکھلائی تھی اور اپنے پیغمبروں کو نشانات اور احکام دے کر نہیں بھیجا تھا مگر تو نے اُن کی کوئی بات ہی نہیں سنی۔ جو کچھ کہا گیا غرور و تکبر سے اُسے جھٹلاتا رہا۔ تیری شیخی قبول حق سے مانع رہی اور بات یہ ہے کہ اللہ کو ازل سے معلوم تھا کہ تو اُس کی آیات کا انکار کرے گا اور تکبر و سرکشی سے پیش آئے گا۔ تیرے مزاج اور طبیعت کی افتاد ہی ایسی ہے۔ اگر ہزار مرتبہ دنیا کی طرف لوٹایا جائے تب بھی اپنی حرکات سے باز نہیں آ سکتا۔ ایسے لوگوں کی بابت خدا کی عادت نہیں کہ انہیں عروسِ کامیابی سے ہمکنار کرے۔''

آگے فرمایا:

﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾﴾

''اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ بولا' تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ اُن کے منہ کالے ہو رہے ہوں گے۔ کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانا دوزخ میں نہیں ہے۔''

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کے بہت سے انداز ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ نے اِس کائنات میں کسی اور کو بھی اپنی الوہیت میں شریک کر لیا ہے' کسی اور کو بھی صاحب اختیار (باقی صفحہ 18 پر)

پریس ریلیز

20 مارچ 2007ء

حکومت معطل یا معزول چیف جسٹس کو اپنے عہدہ پر بحال کر کے اپنی غیر دانش مندانہ کارروائیوں کی تلافی کرے

ڈاکٹر اسرار احمد

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے خیال ظاہر کیا ہے کہ موجودہ حکومت کے پاس اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ وہ معطل یا معزول چیف جسٹس آف پاکستان کو باعزت طور پر واپس اپنے عہدۂ جلیلہ پر بحال کر کے اپنی غیر دانش مندانہ کارروائیوں کی تلافی کرے اور اپنا اعتماد بحال کرنے کے لیے آئندہ محتاط اور ذمہ دارانہ طرزِ عمل اختیار کرے۔ انہوں نے کہا کہ وکلاء نے حکومت کی طرف سے طاقت کے بلا جواز استعمال کا جس طرح دلیری اور جرأت سے مقابلہ کیا ہے اور پریس اور عوام نے ان کی تائید کی ہے وہ بہت ہی خوش آئند ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید کہا کہ اگر یہ تحریک پورے ملکی نظام کی تبدیلی کا باعث بن سکے تو یہ تحریک پاکستان سے کم اہم نہیں ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے پاکستان تو حاصل کر لیا تھا مگر اس کے مقاصد کو پس پشت ڈال دیا' جس کی وجہ سے آج ہمیں انتہائی غیر یقینی صورت حال کا سامان ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ پاکستان کو عالمی برادری میں ایک باوقار مقام دلانے کے لیے ملک سے سود اور جاگیرداری نظام کا خاتمہ اور امریکی چنگل سے آزاد کرانا ناگزیر ہے' جس کے بعد ہی اہل اور باصلاحیت قیادت کے سامنے آنے کا امکان ہو سکتا ہے۔ (معتمد ذاتی)

اتباعِ رسول ﷺ

حکیم محمد سعید (مرحوم)

اگر ہم تاریخ اقوام وملل پر ایک نگاہ عمیق ڈالیں اور توجہ اور گہرائی کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں ایک بات بہت واضح طور پر ملے گی۔ وہ یہ ہے کہ جن اقوام وملل نے ماضی سے اپنے حال کو منسلک رکھا ہے ان کا مستقبل تابناک رہا ہے اور جن اقوام نے اور جن ملتوں نے اپنے ماضی کو فراموش کردیا وہ نہ حال کو درست رکھ سکیں اور نہ اپنے مستقبل کو روشن بنا سکیں۔ تاریخ کا مطالعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ انسان کے حال و مستقبل کی تاریکی کو دور کرنے کے لئے ماضی کی روشنی سے فیض حاصل کرنا ضروری ہے۔

قرآن پاک سورۃ الفاتحہ سے شروع ہوتا ہے۔ یہی سورت قرآن پاک کا خلاصہ ہے اور قرآن کے سربستہ راز کی کنجی ہے۔ اس سورت میں بندہ اپنے رب سے ہدایت کی دعا کرتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو "الم" سے "والناس" تک تمام قرآن پاک اسی دعا کا جواب ہے۔ سورۂ فاتحہ میں ہم دعا کرتے ہیں:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ o﴾ (آیت:5)

"(اے رب العالمین) ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔"

اپنی ذات سے محبت عطا فرما اور مشاہدے سے مشرف رکھ۔ اقوال اور احوال ہر ایک میں اسی سیدھی راہ پر قائم رکھ کہ ہم نعمت پا کر پھر تیرے غضب کا نشانہ نہ بنیں۔

ابتدائے زندگی سے انتہائے حیات تک کا جو راستہ ہے وہ پُر پیچ اور پُر خار و پُر خطر ہے۔ اس راہ پر جو لوگ بزعم خود چلے ہیں اور نور ہدایت اور مشعل یقین کے بغیر چلے ہیں وہ اس راہ میں بھٹک گئے، مگر وہ لوگ کہ جن کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور جو سراج منیر اور مشعل نور سے مستفید ہو کر زندگی کی راہوں سے گزرے ان کی کامیابی شبہ و شک سے بالاتر رہی ہے۔ ایسے اشخاص اور ایسی اقوام کو تاریخ نے نشان عظمت کے عنوان سے پیش کیا ہے۔

میں بر بنائے عقیدہ نہیں بلکہ عقلی استدلال اور دنیا کی عملی تاریخ کی روشنی میں آپ کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ بنی نوع انسان کی حقیقی بھلائی، اعمال کی نیکی، اخلاق کی بہتری، دلوں کی صفائی اور انسانی قوا میں اعتدال اور میانہ روی پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں اگر کسی طبقۂ انسانی نے انجام دی ہیں تو وہ صرف انبیائے کرامؑ کا طبقہ ہے جو اللہ کی طرف سے بھیجے گئے اور دنیا میں آئے اور دنیا کو نیک تعلیم اور ہدایت دے کر اپنے بعد آنے والے لوگوں کے لئے چلنے کا سیدھا راستہ بنا کر چھوڑ گئے۔ ان کی تعلیم و عمل کے سرچشمے سے بادشاہ و رعایا، امیر و غریب اور جاہل و عالم سب مسلسل اور برابر فیض پا رہے ہیں۔ یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں اور یہی وہ مقدس گروہ ہے کہ جو اللہ کی بسائی ہوئی تمام آبادیوں میں پھیلا اور مختلف زمانوں میں اپنی تعلیم و ہدایت کے چراغ روشن کرتا رہا۔ آج انسان کے سرمایۂ حیات میں فلاح و شرافت، سعادت، اخلاق عالیہ، اعمال نیک و صالح اور بہترین زندگیوں کے جو اثرات و نتائج ہیں وہ سب ان ہی بزرگوں کے فیوض و برکات ہیں۔

نوحؑ کا جوش تبلیغ، ابراہیمؑ کا ولولۂ توحید، اسحاقؑ کی وراثت پدری، اسماعیلؑ کا ایثار، موسیٰؑ کی سعی و کوشش، ہارونؑ کی رفاقت حق، یعقوبؑ کی تسلیم و رضا، داؤدؑ کا غربت حق پر ماتم، سلیمانؑ کا سرود حکمت، ذکریاؑ کی عبادت، یحییٰؑ کی عفت، عیسیٰؑ کا زہد، یونسؑ کا اعتراف قصور، لوطؑ کی جاں فشانی اور ایوبؑ کا صبر، ان سب کے حقیقی نقش و نگار سے ہماری علمی، اخلاقی اور روحانی دنیا کے ایوان آراستہ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے انسان کے پُر پیچ و پُر خطر زندگی کے راستے میں ایک مینار نور ہدایت قائم کردیا ہے۔

اس کے باوجود انسان و انسانیت کو ایک ایسے رہبر اور رہنما کی ضرورت تھی کہ جو کلی حیثیت سے اسے بدل دے اور اس سرے سے اُس سرے تک کی پوری راہ کو ہدایت اور عملی مثالوں سے روشن کردے۔ نقطۂ فکر و نظر بدلنے کے لئے، عادات و اطوار بدلنے کے لئے، رسوم و رواج بدلنے کے لئے، حقوق و فرائض کی تقسیم بدلنے کے لئے خیر و شر کے معیارات اور حرام و حلال کے پیمانے بدلنے کے لئے، اخلاقی قدریں بدلنے کے لئے، تہذیب و تمدن کے ہر ہر شعبے میں تبدیلی لانے کے لئے انسان میں ایک انقلاب لانے کے لئے اور سچ یہ ہے کہ مکمل صراط مستقیم دکھانے کے لئے ایک ہادیٔ برحق اور ایک رہنمائے عظیم کی حاجت تھی۔ یہ ہادی برحق اور یہ رہنمائے کل ختم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں۔ جب ہم یہ دعا مانگتے ہیں کہ "اھدنا الصراط المستقیم" تو اس کا مطلب واضح طور پر یہ ہوتا ہے کہ ہمیں اس راہ پر چلا کہ جو نبی کریم ﷺ کے ذریعے سے تو نے ہمارے لئے مقرر فرمائی ہے۔

> نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور آپ ﷺ کے ارشادات حکمت و دانائی اور خیر و دانش کا خزانہ ہیں۔ وہ خزانہ ہمارے پاس ہے، لیکن ہم خود ہی اس خزانے کے سانپ بن گئے ہیں۔ اسے گردش میں نہ لا کر لاتعداد انسانوں کو فاقہ کشی میں مبتلا کرتے ہیں اور ذرا نہیں شرماتے۔

سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت ہمارے لئے دائمی نمونۂ عمل ہے، اسوۂ حسنہ ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جس میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے ہدایت و رہنمائی اور عملی مثال نہ چھوڑی ہو۔ لاریب! تاریخ عالم اس پر گواہ ہے کہ اس نور ہدایت سے سارا جہان منور ہوا ہے۔ اس روشنی نے اقوام عالم کو منور کیا ہے۔ دساتیر عالم اس روشنی میں مرتب ہوئے ہیں۔ اقوام عالم نے اس نور سے اکتساب کیا ہے۔ مگر کس قدر حیرت ہے کہ ہم جو اس نور سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں، ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اپنی نادانی اور غفلت سے آج دوسروں کی جانب دیکھ رہے ہیں اور ان سے رہنمائی کے طالب ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ جو خود رہنمائی کا محتاج ہو وہ کیا رہنمائی کرے گا؟

"ہر آں کہ خود گم است کرا رہبری کند"

بظاہر ہم اللہ کے ماننے والے بھی ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے امتی بھی، قرآن خواں بھی ہیں اور حدیث رسول ﷺ کے امین بھی۔ لیکن اصلیت کیا ہے؟ حقیقت ہمارے دلوں میں کس حد تک جاگزیں ہے؟ ہمارے دلوں اور ہماری زبانوں میں کس حد تک مفاہمت و مطابقت ہے؟ ہماری زندگی میں تعلیمات رسول ﷺ کا کتنا دخل ہے؟ ان سوالوں کی روشنی میں اگر ہم خود اپنے اوپر ایک تنقیدی نگاہ ڈالیں تو ہم خود سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے فکر و عمل میں سیرت رسول ﷺ کا پرتو کس حد تک پڑا ہے۔ ہم کاروبار کرتے وقت کیا یہ سوچتے ہیں کہ سود و زیاں اور نفع و نقصان کے علاوہ ایک چیز دیانت و امانت بھی ہے؟ ہم سیاست کے میدان میں کیا یہ غور کرتے ہیں کہ ہمارے رسول ﷺ نے اس شعبے میں بھی ہماری رہنمائی کی ہے؟ ہم تعلیم حاصل کرتے وقت اور تعلیم دیتے وقت کیا تعلیم رسول ﷺ کو نمونہ بنانا چاہتے ہیں؟ ہماری تعلیم کا حال تو یہ ہے کہ ہم کئی سال گزر جانے کے باوجود آج تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے ہیں کہ ہمیں آنے والے کل کے لئے کس قسم کے مسلمان تیار کرنے ہیں۔ ہماری تعلیم بے مقصدی کا شکار اور اللہ و رسول ﷺ سے خالی ہے اور ایک ایسا نمونۂ تعلیم ہے کہ جو ہمارے لئے کوئی منزل متعین نہیں کرتا۔ شادی بیاہ کے وقت کیا ہمیں سرکار دو عالم ﷺ کی مثال یاد رہتی ہے؟ مزدور کی مزدوری طے کرتے اور دیتے وقت کیا احکام نبی ﷺ ہمارے پیش نظر رہتے ہیں؟ اپنا فرض انجام دیتے وقت کیا ہمارے دل

میں اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے؟ معاملات کا فیصلہ کرتے وقت کیا ہم عدلِ محمدی ﷺ کو نمونہ بناتے ہیں؟

اگر یہ حقائق ہیں اور ان کے حقائق ہونے کی گواہی ہمارے دل سے زیادہ اور کون دے سکتا ہے' تو ہم اپنے معاشرے کو اسلامی معاشرہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ مسلمانوں کا معاشرہ اتنا پرامن' اتنا پاکیزہ' اتنا متوازن ہونا چاہیے کہ دوسری قومیں اور جماعتیں رشک کریں' دوسرے اس کی نقل کرنا چاہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ رسول ہاشمی ﷺ کے نام لیوا دوسروں کے معاشروں کی طرف دیکھیں' ان کی مثالیں دیں' ان کو اپنانا چاہیں اور ان سے رہنمائی کے طالب ہوں! روشنی اندھیرے کی طرف دیکھے' نور ظلمت سے دبے' حسن بدصورتی سے خائف ہو' خوش نمائی بدنمائی کا سہارا ڈھونڈے!

ذرا غور کیجئے! ہم کہاں ہیں؟ کیا سوچ رہے ہیں؟ کیا ہمارے دماغ مقفل ہو چکے ہیں؟ کیا ہماری عقلیں خبط ہو چکی ہیں؟ ہمارے عقیدے اور عمل کا تضاد تو یہی بتاتا ہے۔ ہمارے پاس تو زندگی کے ہر ہر شعبے میں رہنمائی موجود ہے۔ ہم تو اللہ کے آخری پیغام کے امین ہیں۔ ہم تو دوسروں کو نیکی اور بھلائی کی راہ دکھانے والے اور برائیوں سے روکنے والے بنا کر بھیجے گئے تھے۔ قرآن مجید فرقان حمید نے ہمارے ہی لئے کہا گیا ہے:

ترجمہ: ''دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں (کی ہدایت واصلاح) کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو۔'' (آل عمران:110)

نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور آپؐ کے ارشادات' حکمت و دانائی اور خیر و دانش کا خزانہ ہیں۔ وہ خزانہ ہمارے پاس ہے' لیکن ہم خود ہی اس خزانے کے سانپ بن گئے ہیں۔ رسول مقبول ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کا کوئی عمل دوست تو دوست' دشمن سے بھی پوشیدہ نہیں رکھا گیا' لیکن ہم اپنے ہر عمل کو پوشیدہ رکھنے ہی میں خوبی دیکھتے ہیں۔ عمل تو عمل' اپنی دولت کو بھی چھپاتے ہیں۔ اسے گردش میں نہ لا کر لاتعداد انسانوں کو فاقہ کشی میں مبتلا کرتے ہیں اور ذرا نہیں شرماتے۔ آج ہم حرام کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں نہ اللہ تعالیٰ کے انعام پر راضی ہیں' نہ پڑوسی ہمارے حسن سلوک کے مستحق رہے ہیں' نہ ہم دوسروں کے لئے وہی پسند کرتے ہیں جو ہمیں اپنے لئے پسند ہوتا ہے۔

اگر ہم نے اس دانائے سبل اور معلم حکمت ﷺ کے نسخۂ شفا کو طاق نسیاں کے حوالے نہ کر دیا ہوتا تو آج ہم پریشان نہ ہوتے' حیران نہ ہوتے' حقیر نہ ہوتے۔ ہم دوسروں کو راستہ دکھا رہے ہوتے' دوسرے ہماری قیادت کے طالب ہوتے۔ ہم امن و سکون کی تلاش کے بجائے دنیا کو پرامن بنانے کے اہل ہوتے۔ ہماری زندگی دوسروں کے لئے نمونہ ہوتی' قابلِ رشک ہوتی اور دنیا جنت کا نمونہ ہوتی۔ برناڈشا نے سچ کہا تھا کہ اگر محمد ﷺ اس وقت دنیا میں موجود ہوتے تو دنیا میں امن ہوتا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر محمد عربی ﷺ کے سچے پیرو بھی اس وقت دنیا میں ہوتے تو دنیا امن و راحت' مساوات واخوت کا گہوارہ ہوتی۔

ہماری بے راہ روی کا ایک طرف یہ نقشہ ہے کہ ہم میں سے تقویٰ گویا بالکل اٹھ گیا ہے۔ دوسری طرف حال یہ ہے کہ یورپ اور امریکا اور تمام مسیحی' یہودی اور سوشلسٹ طاقتوں نے ایک خاص اور متفقہ حکمت عملی وضع کی ہے اور اس کا نام مسئلہ مشرق رکھا ہے۔ مسائل مشرق سے دلچسپی کی حقیقی غایت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسلام کے قوائے سیاسیہ کو ختم کر دیا جائے۔ اور بہ الفاظ واضح یہ کہ دنیا کے جو علاقے کسی قدر اسلام کے زیر اثر باقی بچ گئے ہیں' ان میں پاکستان بھی شامل ہے بلکہ سرفہرست ہے' ان کو بے اثر بنا دیا جائے۔ یہ ایک ایسی حقیقت اظہر من الشمس فی نصف النہار ہے کہ جس شخص نے گزشتہ کئی برسوں کے واقعات سے آنکھیں بند نہیں کر لیں ہیں وہ بغیر کسی بصیرت مزید کے اسے دیکھ سکتا ہے۔

اگر یہ سچ ہے کہ ایک خنجر اسلام کے قلب میں پیوست کر دینے کے لئے تیز کیا جا رہا ہے تو کیا مضائقہ ہے اگر ہم کسی ڈھال کی تیاری میں مصروف ہو جائیں! اگر اللہ پرستی اور رسول دوستی سے مسیح پرستی کی دشمنی قدیم اور پرانی ہے' بلکہ ازلی ہے' تو پیروان توحید کا حملہ' مشرکین سے دفاع کیوں ضروری نہیں ہے؟ اگر سیکولرازم کی گولی دماغ مسلم کو پاش پاش کر دینے کے لئے تیار کی جا رہی ہے تو آخر کیا مضائقہ ہے' اگر ہم ان طاقتوں کو مفلوج کر دیں جو ہماری صحت فکری پر حملہ آور ہیں؟ اللہ اور رسول ﷺ سے صرف نظر کر کے اور کتاب و سنت سے منہ موڑ کر دنیائے اسلام اور ہم خود آج جس مقام پر آ کر کھڑے ہوئے ہیں اس سے آگے ایک ایسی کھائی ہے کہ جس میں چلے جانے کے بعد ہمارا وجود برقرار نہیں رہ سکتا۔ اگر ہم اس صورت حال کو صحت و دیانت کے ساتھ سمجھ لیں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں آپ ﷺ کی تعلیمات کو اپنا لیں تو اس سے ہمارے درد کا مداوا ہو سکتا ہے۔ اگر سیرت کی یہ تقاریب ہمارے قلوب میں جذبۂ سربلندیٔ اسلام پیدا کر دیں اور ہمارے دماغ یہ سوچنے لگیں کہ اے اقوام یورپ! اور اے دزدانِ قاتلانِ انسانیت! یہ ظلم تا کے! اگر ہم اس پست زندگی اور زبوں حالی سے نکلنا چاہتے ہیں تو اللہ کے قانون اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستوں اور ہدایات پر ہمیں بہرصورت چلنا اور عمل کرنا ہوگا۔ ورنہ ہم اور ہماری یہ نمائشی سرگرمیاں ہمیں قعر مذلت سے ہرگز نہیں نکال سکتیں۔

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

اقبالؔ عظیم

مدینے کا سفر ہے اور میں نم دیدہ نم دیدہ
جبیں افسردہ افسردہ قدم لغزیدہ لغزیدہ
چلا ہوں ایک مجرم کی طرح میں جانب طیبہ
نظر شرمندہ شرمندہ بدن لرزیدہ لرزیدہ
کسی کے ہاتھ نے مجھ کو سہارا دے دیا ورنہ
کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ
بصارت کھو گئی لیکن بصیرت تو سلامت ہے
مدینہ میں نے دیکھا ہے مگر نادیدہ نادیدہ
مدینہ جا کے ہم سمجھے تقدس کس کو کہتے ہیں
ہوا پاکیزہ پاکیزہ فضا سنجیدہ سنجیدہ
غلامانِ محمدؐ اس طرح آئیں گے محشر میں
سر شوریدہ شوریدہ دل گرویدہ گرویدہ
وہی اقبالؔ جس کو ناز تھا کل خوش مزاجی پر
فراقِ طیبہ میں رہتا ہے اب رنجیدہ رنجیدہ

(مرسلہ: قاضی عبدالقادر' کراچی)

دعوت کا مقام اور اُس کے تقاضے

سیرتِ طیّبہ کی روشنی میں

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شخصیت ایک ایسی مکمل اور رہبر کامل کی ہستی ہے جن کی نظیر نہ آج تک کوئی پیدا ہوا اور نہ آئندہ پیدا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت بیک وقت ایک مصلح کی بھی ہے، ایک معلم کی بھی، ایک حکمران کی بھی ہے اور ایک جرنیل کی بھی، ایک فاتح کی بھی ہے اور ایک حرکی کی بھی، ایک عابد کی بھی ہے اور ایک جج کی بھی، ایک شوہر کی بھی ہے اور باپ کی بھی غرضیکہ زندگی کا کوئی بھی گوشہ ہو، تمام نوعِ انسان کے لیے اس میں رشد و ہدایت اور نمونہ موجود ہے۔ سورۃ الاحزاب میں فرمایا:

> ''تم کو پیغمبر اللہ کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی) اُس شخص کو جسے اللہ (سے ملنے) اور روزِ قیامت (کے آنے) کی اُمید ہو اور وہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرتا ہو'' (آیت:21)

ان ہی حیثیتوں میں ایک نہایت اہم حیثیت مبلغ و داعی کی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تمام انسانیت کے لیے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اس لیے آپ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے زندگی کی ہر راہ میں عمل کے ہر شعبے میں مبلغ تھے۔ آپ کا ذکر و فکر تبلیغ تھا، آپؐ کی عبادت و ریاضت تبلیغ تھی، آپؐ کی سپہ گری اور کشور کشائی تبلیغ تھی، آپ تبلیغ کا پیکر تھے، آپ مبلغ پروان چڑھے، مبلغ بن کر جئے اور تبلیغ کی راہ میں زندگی گزار کر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

اس سے پہلے کہ ہم دیکھیں کہ آپ ﷺ نے کن حالات میں، اور کس معاشرے میں رُشد و ہدایت، دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا ضروری ہے کہ اس دور کا ایک اجمالی جائزہ لے لیا جائے۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی تصنیف: ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر'' میں اُس دور کا خاکہ کچھ اس طرح کھینچا ہے۔

بعثتِ محمدیؐ سے متصل قبل کی صدی تاریخ انسانی کا تاریک و پست ترین دور تھا۔ صدیوں سے انسانیت جس پستی و نشیب کی طرف جا رہی تھی، اب اس کے آخری نقطہ کی طرف پہنچ گئی تھی۔ روئے زمین پر اُس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے، اور ہلاکت کے غار میں گرنے سے اُسے روک سکے۔ انسان اس صدی میں خدا فراموش ہو کر کامل طور پر خود فراموش بن چکا تھا۔ وہ اپنے انجام سے بالکل بے فکر اور بے خبر اور بُرے بھلے کی تمیز سے قطعاً محروم ہو چکا تھا۔ پیغمبروں کی دعوت کی آواز عرصہ ہوا دب چکی تھی۔ اس عالمگیر تاریکی اور فساد کا نقشہ قرآن مجید نے کچھ اس طرح کھینچا ہے۔

> ''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ اللہ اُن کو اُن کے بعض عملوں کا مزہ چکھائے' عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔'' (الروم:41)

اس جہالت کے پُر آشوب دور میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ کو وحی و رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ اس جاں بلب انسانیت کو نئی زندگی بخشیں اور لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔

> ''الٓرٰ۔ (یہ) ایک (پُرنور) کتاب (ہے) اس کو ہم نے تم پر اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ (یعنی) اُن کے پروردگار کے حکم سے غالب اور قابلِ تعریف (اللہ) کے رستے کی طرف۔'' (ابراہیم:1)

آپؐ نے انسانیت کو صرف ایک رب کی بندگی کی دعوت دی، اور دنیا کی ساری بندگیوں اور غلامیوں سے نجات لائی۔ زندگی کی حقیقی نعمتیں (جس سے انسانوں نے اپنے کو محروم کر لیا تھا) دوبارہ ان کو عطا کیں اور وہ طوق و سلاسل اُن سے جدا کئے جو انہوں نے بلاضرورت اپنے اوپر ڈال لئے تھے۔

> ''وہ جو (محمد ﷺ) رسول (اللہ) کی جو نبی اُمی ہیں' پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اور اُنہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور بُرے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھہراتے ہیں اور اُن پر سے بوجھ اور طوق جو اُن (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں۔ (الاعراف:157)

غرض یہ کہ عالم انسانی میں عموماً اور عالم عرب میں خصوصاً تاریکی اور جہالت کا دور دورہ تھا، اور زندگی کا ہر گوشہ اصلاح طلب تھا۔ اس دورِ پُر آشوب میں انسان اپنے قویٰ اور فکر میں اتنا کمزور اور مضمحل ہو چکا تھا کہ وہ درخت، پتھر اور پانی بلکہ ہر بے بس چیز کو معبود بنا چکا تھا۔ اس کے احساسات غلط کام کر رہے تھے، یقینی اور قطعی چیزوں میں اس کو شک ہونے لگا تھا اور مشکوک و مشتبہ چیزیں قطعی اور یقینی بن گئی تھیں۔

دعوت کا آغاز

اس دورِ جہالت میں روشنی کے لیے، تباہ حال معاشرے کی اصلاح کے لیے جو عزیمت اور ہمت درکار تھی اُس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی رہنمائی کر دی۔

> ''اے (محمد ﷺ) جو کپڑے میں لپٹ رہے ہو' رات کو قیام کیا کرو' مگر تھوڑی رات۔ (قیام) آدھی رات (کیا کرو) یا اس سے کچھ کم' یا کچھ زیادہ' اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے۔ کچھ شک نہیں کہ رات کا اُٹھنا (نفس بہیمی کو) سخت پامال کرتا ہے اور اُس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے......'' (المزمل:1 تا 6)

> ''اے (محمد ﷺ) جو کپڑا لپیٹے پڑے ہو' اُٹھو اور ہدایت کرو' اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔ اور ناپاکی سے دُور رہو۔ اور (اس نیت سے) احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ کے طالب ہو۔'' (المدثر:1 تا 6)

ان آیات کا مطلع اللہ بزرگ و برتر کی آواز میں ایک آسمانی ندا پر مشتمل ہے کہ جس میں نبی کریم ﷺ کو اس عظیم و جلیل کام کے لیے اُٹھنے اور نیند کی چادر پوش اور بستر کی گرمی سے نکل کر جہاد اور سعی و مشقت کے میدان میں آنے کے لیے کہا گیا ہے۔ یہ بڑا عظیم اور پُر ہیبت کلمہ ہے۔ اس نے نبی ﷺ کو پُرسکون گھر اور بستر سے اُٹھا کر تند طوفان اور تیز جھکڑوں کے درمیان

اتھاہ سمندر میں ڈال دیا' اور لوگوں کے ضمیر اور زندگی کی کشاکش کے دوران لا کھڑا کیا۔ پھر......
رسول اللہ اُٹھ کھڑے ہوئے' راحت وسکون تج دیا۔ اب آپ کی زندگی اپنے لیے اور اہل وعیال کے لیے نہ رہی' آپ کا کام اللہ کی طرف دعوت دینا تھا۔ آپ نے یہ کمر توڑ بار گراں اپنے شانے پر کسی دباؤ کے بغیر اُٹھا لیا۔ آپ نے بیس سال سے زیادہ عرصے تک پیہم اور ہمہ گیر معرکہ آرائی میں زندگی بسر کی اور اس پورے عرصہ میں آپ کو کوئی ایک حالت کسی دوسری حالت سے غافل نہ کر سکی۔

نبی اکرم ﷺ کی بنیادی دعوت کیا تھی؟

نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے دعوت واصلاح کا کام اس کے صحیح راستے سے شروع کیا۔ آپ نے طبیعت انسانی کے قفل میں ٹھیک چابی لگائی۔ آپ نے لوگوں کو سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور معبودان باطلہ کے انکار کی تلقین کی اور طاغوت (اللہ کے سوا ہر ہستی جس کی عبادت واطاعت مطلق کی جائے) کی نافرمانی کی ہدایت فرمائی۔ آپ نے لوگوں کو بتایا:

یاایھا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا

''لوگو! کہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو تم کامیاب ہو جاؤ گے۔''

رسول اللہ ﷺ کے اوّلین مخاطب

آپ نے دعوت کا آغاز ''الاقرب فالاقرب'' کی بنیاد پر اپنے گھر اور قریبی دوستوں سے کیا اور اس کے نتیجے میں حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت زید بن حارثؓ، اور حضرت علیؓ ایمان لے آئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اسلام کی تبلیغ میں سرگرم ہو گئے اور بہت جلد حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، اور حضرت طلحہؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ اسلام لے آئے۔ یہ عرصہ تقریباً تین سالوں پر محیط ہے۔ اس عرصہ میں اہل ایمان کی ایک جماعت تیار ہو گئی جو اخوت اور تعاون پر قائم تھی اور اللہ کا پیغام پہنچا رہی تھی۔

قرابت داروں میں دعوت

دعوت کے دوسرے مرحلے میں دعوت کو قرابت داروں تک وسیع کیا گیا۔

''اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنا دو۔'' (الشعراء:214)

چنانچہ آنحضرت نے بنی ہاشم اور بنی مطلب بن عبد المناف کی ایک جماعت کو اپنے گھر کھانے کی دعوت دی۔ آپ نے اپنی بات ان قرابت داروں کے سامنے کہنی شروع کی، لیکن ابولہب نے اپنی شرانگیزی دکھائی اور بولا: ''دیکھو' یہ تمہارے چچا اور چچیرے بھائی ہیں۔ نادانی چھوڑو اور یہ سمجھ لو کہ تمہارا خاندان سارے عرب سے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا اور میں سب سے زیادہ حق دار ہوں کہ تمہیں پکڑ لوں۔ پس تمہارے لیے تمہارے باپ کا خانوادہ ہی کافی ہے اور اگر تم اپنی بات پر قائم رہے تو یہ بہت آسان ہوگا کہ قریش کے سارے قبائل تم پر ٹوٹ پڑیں اور بقیہ عرب بھی ان کی اقتدا کریں۔ پھر میں نہیں جانتا کہ کوئی شخص اپنے باپ کے خانوادے کے لیے تم سے بڑھ کر شر اور تباہی کا باعث ہو۔'' نبی اکرم ﷺ نے خاموشی اختیار کر لی اور اس مجلس میں کوئی گفتگو نہ کی' لیکن ہمت نہیں ہاری۔ آپ نے انہیں دوبارہ جمع کیا اور اک مختصر تقریر کی اور فرمایا کہ کون اس مہم میں میرا ساتھ دیتا ہے۔ اس پر سکوت چھا گیا۔ اس سکوت کو ایک تیرہ برس کے لڑکے نے توڑا۔ ''اگرچہ میں آشوب چشم میں مبتلا ہوں، اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں، اگرچہ میں ایک بچہ ہوں، لیکن میں اس مہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔'' یہ حضرت علی تھے' جو آگے چل کر حیدر کرار بنے۔

علانیہ دعوت

آپ نے ایک روز کوہ صفا پر چڑھ کر یہ آواز لگائی۔ واصباحا (ہائے صبح)! یہ پکار سن کر قبائل آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے انہیں اللہ کی توحید' اپنی رسالت اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس آواز کی گونج ابھی مکے میں ہی سنائی دے رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور حکم نازل فرما دیا:

''پس جو حکم تم کو (اللہ کی طرف سے) ملا ہے وہ (لوگوں کو) سنا دو اور مشرکوں کا (ذرا) خیال نہ کرو۔'' (الحجر:94)

آپ کو کبھی قتل کرنے کی سازش کی گئی تو کبھی ابو طالب کے ذریعے سمجھانے کی۔ جاہلی معاشرے نے اس دعوت اور اس کے مقاصد کے سمجھنے میں غلطی نہیں کی۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ یہ دعوت ایسا تیر ہے جو جاہلیت کے نشانے پر بیٹھ جائے گا۔ چنانچہ جاہلیت اپنے تمام سازوسامان سے لیس ہو کر میدان میں اُتر آئی۔ اس موقع پر سختی' دباؤ' ظلم وزیادتی کے وہ لرزہ خیز واقعات پیش آئے کہ جو تاریخ اسلام میں محفوظ ہیں۔

حضور ﷺ کی دعوت وتبلیغ میں استقامت

قریش نے آپ کی مخالفت میں سارے حربے استعمال کئے جو وہ کر سکتے تھے۔ کبھی استہزاء کا نشانہ بنایا' تو کبھی گالیاں دیں، کبھی تشدد کا راستہ اختیار کیا تو کبھی لالچ اور سودے بازی کی چالیں اختیار کیں، کبھی طاقت سے ڈرایا تو کبھی مصلحت کے جال میں پھانسنا چاہا۔ غرض ہر طرح سے پینترے بدل بدل کر آپ کو دعوت دین سے روکنا چاہا۔ لیکن آپ بہ تسلسل توحید' رسالت اور آخرت پر یقین کی دعوت پوری صراحت کے ساتھ دیتے رہے۔ آپ نے اس کے لیے ذرا بھی ہیر پھیر کا راستہ اختیار نہیں کیا' نہ مخالفوں کی ادنیٰ رعایت کی، نہ وقت کی مصلحت کے لیے اپنی دعوت میں لوچ اور لچک گوارا کی۔ اسی دعوت کو ہر مرض کی دوا اور ہر بند قفل کی کنجی سمجھا، اور ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کو اس کے بارے میں ادنیٰ تذبذب بھی نہ ہوا۔

چنانچہ جب قریش نے آپ کے دنیاوی طرف دار و محافظ ابو طالب کو سخت نتائج کی دھمکی دی تو انہوں نے حضور ﷺ کو بلا کر کہا: ''بھتیجے تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسی ایسی باتیں کہہ گئے ہیں۔ اب مجھ پر اور خود اپنے آپ پر رحم کرو۔ اس مقابلے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہو۔'' لیکن آپ نے حالات کی سنگینی کے باوجود فرمایا: چچا جان! اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تو بھی میں اس کام (مشن) کو نہ چھوڑوں گا' یہاں تک کہ یا تو اللہ اسے غالب کر دے یا میں اسی راہ میں کام آ جاؤں۔

دعوت وتبلیغ کے لیے تمام ممکنہ وسائل کا استعمال

آپ نے دعوت حق کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے تمام ممکنہ وسائل کا' جو اس وقت میسر تھے' بہ حسن وخوبی استعمال کیا' (صرف ایک لحاظ کے ساتھ کہ اگر ان وسائل میں کوئی بات خلاف دین تھی تو اس کو نکال دیا۔) مثلاً کوہ صفا پر چڑھ کر واصباحا پکارا' جو اس وقت لوگوں کو متوجہ کرنے کا نہایت موثر ذریعہ تھا۔ اسی طرح آپ کوئی ایسا موقع یا اجتماع ہاتھ سے نہ جانے دیتے' جہاں چند لوگ جمع ہوں' مثلاً آپ میلوں میں تشریف لے جاتے اور وہاں لوگوں تک بات پہنچاتے، اسی طرح حج کے دنوں میں جبکہ تمام عرب سے لوگ مکہ میں جمع ہوتے تھے' آپ پوری سرگرمی کے ساتھ اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے۔ اگرچہ ابولہب اس موقع پر اپنی شرانگیزیاں کرتا تھا' لیکن آپ کو اپنے کام سے روک نہ سکا۔ اور یہی وہ موقع تھا جب اہل یثرب کے کچھ لوگوں نے یہ ندائے حق سنی اور اُس پر لبیک کہی۔

حضور ﷺ کا اضطراب

حضور ﷺ دنیائے انسانیت کو کفر، شرک، فسق اور فجور میں مبتلا دیکھ کر بہت کڑھتے تھے۔ اور بسا اوقات آپ کی یہ کڑھن اور تکلیف حد سے بڑھ جاتی تھی۔ چنانچہ آپ کے اضطراب کو دیکھ کر حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا:

''(اے پیغمبر) اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید تم اُن کے پیچھے رنج کر کر کے اپنے تئیں ہلاک کر دو گے۔'' (الکہف:6)

آپ کی شدید ترین خواہش ہوتی تھی کہ لوگ ایمان لے آئیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے اس کو یوں بیان کیا ہے:

''(لوگو) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں۔ اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔''

حضور ﷺ کا موثر انداز تبلیغ

حضور ﷺ کی تبلیغ کا انداز نہایت موثر اور عمدہ ہوتا تھا۔ آپؐ کو اگر کسی کو کوئی بات سمجھانی ہوتی تو اکیلے میں بڑی ملائمت اور ملاطفت سے سمجھاتے' مجمع میں اسے شرمندہ نہ کرتے۔ اگر مجمع میں کچھ کہنا ہوتا تو ایک کو مخاطب نہ کرتے بلکہ سب کو مخاطب کرکے بات فرماتے۔

دعوت بذریعہ حسن سلوک

آپ کا حسن اخلاق تو آپ کی بعثت سے قبل ہی مشہور تھا، آپ کے حسن اخلاق کی گواہی تو خود قرآن نے دی۔

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (القلم:4)

''اور تمہارے اخلاق بہت اعلیٰ ہیں۔''

ایک مرتبہ ایک شخص آیا۔ اس نے آپؐ سے نازیبا بات چیت شروع کر دی۔ کچھ اصحابؓ کو جو آپ کے ساتھ تھے' غصہ آ رہا تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھے' مگر حضور ﷺ نے انہیں خاموش بٹھا دیا۔ نہ خود کوئی جواب دیا' نہ صحابہؓ کو جوابی کارروائی کرنے کی اجازت دی۔ اِس (تحمل) پر وہ شخص بہت نادم ہوا۔ (ابوداؤد)

لوگوں کی اصلاح اور خیر خواہی کا جذبہ

حضور کی دعوت میں دوسروں کی اصلاح اور خیر خواہی کا وافر جذبہ ہوتا تھا۔ کوئی طمع، کوئی لالچ، کوئی بڑائی اور کسی قسم کا جذبہ برتری نہ ہوتا تھا۔ آپ کا لہجہ منکسرانہ ہوتا تھا' نہ کہ تحکمانہ۔ آپؐ کی گفتگو میں عجز و نیاز ہوتا تھا۔ آپؐ غیر کو بھی اپنا سمجھتے اور مخاطب سے نہایت شفقت و محبت سے پیش آتے اور ممکن حد تک اس کی خاطر داری اور دلداری فرماتے۔ یہ سب کچھ محض اور محض اس لیے کہ مخلوق جہنم سے بچ جائے اور اس کی دنیا اور آخرت سنور جائے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: تم آگ کے گڑھے میں گرنے کے قریب ہو اور میں تمہارے کپڑے پکڑ کر تمہیں کھینچ رہا ہوں' تا کہ تم آگ سے بچ سکو۔ جہاں تک حکمت و موعظت کا تعلق ہے' وہ آپ کی دعوت کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔ آپ کی دعوت و تبلیغ اس قرآنی آیت کا جیتا جاگتا نمونہ تھی۔

''(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ۔ اور بہت ہی اچھے طریق سے اُن سے مناظرہ کرو۔ جو اس کے راستے سے بھٹک گیا' تمہارا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو راستے پر چلنے والے ہیں اُن سے بھی خوب واقف ہے۔'' (النحل:125)

آپ تبلیغ کرتے وقت مخاطب کے مزاج اور نفسیات، علم اور عمل' عقل اور فکر' غرض ہر بات کو پیش نظر رکھتے۔ ایک شخص نے نا سمجھی میں مسجد میں پیشاب کر دیا۔ صحابہؓ اِس پر ناراض ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: اُسے چھوڑ دو اور پیشاب پر پانی بہادو' کیونکہ وہ بدو ہے اور ابھی اسے معلوم نہیں کہ مسجد میں پیشاب نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ عام طور پر آپؐ کے خطبات مختصر ہوتے لیکن آپؐ جوامع الکلام تھے۔ آپؐ کے مختصر جملوں میں وسیع معنی پنہاں ہوتے تھے۔ آپؐ کے وعظ و تبلیغ کے دوران میں کبھی کوئی آدمی اُٹھ کر نہ جاتا تھا۔ اس کے تین بڑے اسباب تھے' ایک تبلیغ کا پُر تاثیر ہونا، دوسرے برموقع و برمحل بات کرنا' تیسرے جامع اور to the Point بات کرنا۔

جب کوئی بات کرتا' آپؐ خاموش ہو جاتے' کسی کی بات کو نہ کاٹتے، گفتگو سادہ اور اخلاص میں ڈوبی ہوئی ہوتی۔ تکلف و تصنع ناپسند فرماتے۔ آپؐ آسان اور پُرکشش انداز اختیار فرماتے۔

صبر و استقلال

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ قریش نے مخالفت میں ہر وہ حربہ استعمال کیا جس سے آپؐ کو تکلیف پہنچے۔ کتب ہائے سیرت و تاریخ شاہد ہیں کہ حضور ﷺ جن میں دشوار گذار راستوں اور مصائب و آلام کی کٹھن راہوں سے گزرے وہ اس قدر لرزا دینے والے تھے کہ ان کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں' لیکن آپ کی ذات ستودہ صفات پر سلام کہ آپؐ نے نہ کبھی صبر کا دامن چھوڑا اور نہ کبھی آپ کے پائے ثبات و استقلال میں لغزش آئی۔

قربانی و جانثاری

حضور ﷺ نے دعوتِ حق کی تبلیغ میں جس عزیمت، قربانی اور جانثاری کا مظاہرہ کیا' اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جو مبلغ دوسروں کو زہد و تقویٰ کی تلقین کرتا ہے' خود اس پر بھی زہد و تقویٰ کا رنگ غالب ہونا چاہئے۔ جب ہم حضور ﷺ کے حالات زندگی پڑھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ آپؐ نے مردار دنیا سے کبھی دل نہ لگایا اور نہ کبھی دنیا کا مال جمع کیا۔ آپؐ نے اپنی مبارک زندگی میں جہاں تک بن پڑا اللہ کی راہ میں کسی مالی و جانی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ کتب ہائے سیرت آپؐ کے روح پرور اور ایمان فروز واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ حضور ﷺ نے دین کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے لیے جو انتھک اور سرتوڑ کوشش فرمائی اور نامساعد حالات کو خندہ پیشانی سے جھیلا وہ بجائے خود بہت بڑا ایثار و قربانی ہے۔ بھوک پیاس میں دور دراز کے سفر کرنا، اور اپنوں میں نہیں بلکہ پکے دشمنوں میں دعوت حق پہنچانا یہ آپؐ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

دعوت و تبلیغ میں آپؐ کا ہتھیار

آپ دعوت و تبلیغ قرآن حکیم کے ذریعے فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ کے خطبات مختصر اور قرآن کی آیات سے لبریز ہوا کرتے تھے۔

''وہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں اُنہی میں سے (محمد ﷺ کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا جو اُن کے سامنے اُس کی آیتیں پڑھتے اور اُن کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اِس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے''۔ (الجمعہ:2)

دعوت و تبلیغ صرف علماء اور واعظوں کا کام نہیں۔

آپ نے بصیرت افروز حدیث میں امت مسلمہ پر واضح کر دیا کہ یہ کام سب کو کرنا ہے' چاہے اُس ایک ہی آیت ہی کیوں نہ آتی ہو۔ بلغوا عنی ولو آیۃ۔ (حدیث)

حضور ﷺ کا امت مسلمہ سے عہد لینا

حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے دن ایک لاکھ چالیس ہزار کے مجمع میں تقریر فرمائی۔ اس کے بعد حاضرین سے پوچھا: (اے حاضرین' کل قیامت کے دن) تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا، تم کیا جواب دو گے۔ حضور ﷺ حاضرین نے جواب دیا: ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے حق تبلیغ خوب ادا فرمایا۔ اس پر حضور ﷺ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اُٹھائی اور فرمایا: ''اے اللہ تو بھی گواہ رہ......اور اس کے بعد فرمایا: ''جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان تک یہ بات پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔'' چنانچہ صحابہ کرامؓ اسی پیغام کو لے کر نکل کھڑے ہوئے اور چہار دانگ عالم میں اس کو پہنچا دیا۔

تحریک دعوت کے سلسلہ میں تنظیم اسلامی کے شعبۂ دعوت کے آئندہ پروگراموں کا شیڈول حسب ذیل ہے:

بہاولپور 29 مارچ

لیاقت پور 30 مارچ — صادق آباد 31 مارچ

سکھر 1 تا 2 اپریل — رحیم یار خان 3 اپریل

منجانب: **مرکزی شعبۂ دعوت تنظیم اسلامی**

67۔ اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور۔ فون: 6316638-6366638

ای میل: markaz@tanzeem.org ویب سائٹ: www.tanzeem.org

امریکہ مسلمانوں کا دشمن کیوں؟

محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ

عالمی سطح پر موجودہ حالات میں دنیا کی سب سے بڑی قوت امریکہ اور اس کے حواری اس بات پر تُل گئے ہیں کہ دنیا میں کہیں پر اسلامی نظام یا انقلاب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا دوبارہ ظہور نہ ہو۔ یہ وہی بات ہے جو شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے اپنی مشہور نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں ابلیس کی زبان سے کہلوائی تھی۔

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبرؐ کہیں!

آج امریکہ اور پوری مغربی دنیا پر بالفعل یہ خوف طاری ہو گیا ہے کہ کہیں دنیا کے کسی کونے میں شرع پیغمبرؐ کا عملی ظہور نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ نبی کائناتؐ نے دنیا میں جو انقلاب برپا کیا وہ دنیا کا انوکھا اور بے مثال انقلاب تھا۔ جس کے نتیجے میں معاشرے کی ہر شے بدل گئی۔ مذہب بدل گیا، عقائد بدل گئے، رسومات بدل گئیں، سیاسی نظام بدل گیا، معاشی نظام بدل گیا، معاشرت بدل گئی، حتیٰ کہ کوئی بھی شے اپنی سابقہ حالت پر قائم نہیں رہی۔ عرب کے معاشرے میں پڑھے لکھے لوگ انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے مگر محبوب کائناتؐ نے اس قوم کو علم کے میدان میں دنیا کا امام بنا دیا۔ جنہوں نے دنیا میں بہت سے نئے علوم متعارف کروائے۔ انقلاب محمدی ﷺ کے نتیجے میں پہلی مرتبہ انسانی افراط و تفریط پر مبنی معاشرے کا خاتمہ ہوا' اور انسانی اخوت، مساوات اور حریت کے اصولوں پر مبنی معاشرے کی داغ بیل پڑی۔ انقلاب نبوی ﷺ کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں۔

دنیا میں بعد میں رونما ہونے والے انقلابات کا جائزہ لیا جائے تو وہ انقلاب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ہیچ نظر آتے ہیں۔ انقلاب فرانس کے نتیجے میں محض سیاسی نظام بدلا، اخلاق و کردار وہی رہے۔ انقلاب روس کے نتیجے میں صرف معاشی نظام بدلا، رسومات، عقائد اور معاشرہ سابق روش پر رہا۔ عالم کفر کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس اسلامی انقلاب کا دنیا میں دوبارہ ظہور نہ ہونے دیا جائے اور مسلمانوں کے دماغ میں جو ''خیال'' پیدا ہو گیا کہ ہمارا ایک نظام ہے' جس کو ہم قائم کریں گے' اس خیال کو واش آؤٹ کر دینا چاہیے۔

اِس پس منظر میں اب ایک بات سوچنے کے قابل ہے جو بہت اہم بات ہے' اور وہ یہ ہے کہ امریکی مفکرین کہتے ہیں کہ۔

We are not against Islam, We are not going to war against Islam, We want a war within Islam.

اس کا کیا مطلب ہے؟ درحقیقت اسلام کے دو تصور ہیں۔ اسلام کا ایک مذہبی تصور ہے کہ مسلمان ایک خدا کو مانتے ہیں، اُس کی نماز پڑھتے ہیں، اس کے حکم کے مطابق روزے رکھتے ہیں۔ اسی کے حکم کے مطابق حسب استطاعت حج وعمرہ کرتے ہیں۔ عیدیں ہیں، پھر ان کے کچھ سماجی رسوم ورواج ہیں، بچہ پیدا ہوتا ہے تو عقیقہ ہوتا ہے۔ شادی کرنی ہو تو نکاح ہوتا ہے اور کوئی مرجائے تو اس کی تدفین کی جاتی ہے۔ شراب اور سور وغیرہ حرام ہے یہ مذہب ہے۔ جبکہ اسلام کے دوسرے تصور میں اسلام صرف مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ اس کا سیاسی' معاشی اور سماجی نظام ہے۔

> امریکہ اور اُس کے حلیف ممالک کی جنگ اسلام کے عقائد عبادات اور رسومات کے خلاف نہیں' اسلام کے نظام حیات اور نظام عدل اجتماعی کے خلاف ہے۔ اور اب یہ ممالک اسلام کے مذہبی تصور کے حامل مسلمانوں کو اسلام کو بحیثیت دین ماننے والے مسلمانوں کے ساتھ ٹکرا دینا چاہتے

امریکہ اور اس کے مفکرین کا موقف ہے کہ ہماری جنگ اسلام بطور مذہب کے خلاف نہیں ہے۔ ہماری جنگ اسلام بطور دین کے خلاف ہے کیونکہ ہم کسی دین، کسی نظام اور کسی تہذیب کے غلبے کو برداشت نہیں کر سکتے کیونکہ "We are sovereign" یعنی ہمیں غلبے کا حق ہے۔ ہماری تہذیب غالب ہو چکی ہے' لہٰذا ہمارا نظام چلے گا۔ اسلام بطور مذہب کی حمایت کے لیے تو وہ گواہیاں دیتے ہیں کہ دیکھو' تم ہمارے ممالک میں آتے ہو اور کالوں اور گوروں کو اپنی تبلیغ سے مسلمان بنا لیتے ہو، مگر ہم نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ تم یہاں آ کر ہمارے چرچ خرید کر مسجدیں بنا لیتے ہو مگر ہم نے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی۔ تم نمازیں پڑھتے ہو۔ ہم نے کبھی ان پر پابندی نہیں لگائی۔ روزے رکھتے ہو ہمیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ ہم تو وائٹ ہاؤس اور 10 ڈاؤننگ سٹریٹ میں افطاریاں بھی دیتے ہیں بلکہ یہی نہیں عید کے موقع پر یادگاری ٹکٹوں کا بھی اجراء کرتے ہیں۔ اس اسلام سے ہماری کوئی جنگ نہیں بلکہ صدر بُش تو یہاں تک بھی کہتے ہیں۔ We are ready to embrace Islam ان کے لیے قابل قبول اسلام وہ ہے جو مذہب تک محدود ہے۔ انہیں اسلام "Politico Socio. Economic System" کی حیثیت سے قطعاً گوارا نہیں۔

اسلام کے اسی تصور کو وہ بنیاد پرستی کا نام دیتے ہیں اور اس وقت وہ ان لوگوں کو بنیاد پرست قرار دیتے ہیں جو اسلام کے بطور دین غلبے کے لیے کوشاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دنیا کے سامنے فنڈا میٹلزم کو گالی اور دہشت گردی بنا کر رکھ دیا ہے۔ چنانچہ امریکہ اور اس کے حلیف ممالک کبھی ''دہشت گردی'' اور کبھی ''بنیاد پرستی'' کے خلاف جنگ کا نعرہ لگاتے ہیں۔ حقیقت میں یہ جنگ اسلام کے نظام حیات کے خلاف ہے۔ یہ جنگ اسلام کے عقائد، عبادات اور رسومات کے خلاف نہیں ہے۔ اس لیے کہ امریکہ اور مغرب میں نافذ سیکولرازم کا اصول ہی یہ ہے کہ ایک سیکولر ملک میں تمام مذاہب رہ سکتے ہیں۔ سب کو عبادات، رسومات اور عقائد میں کھلی آزادی ہے۔ مگر اجتماعی نظام میں کسی مذہب، کسی مذہبی کتاب یا کسی خدا اور اس کے قانون کو کوئی دخل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیکولرازم لامذہبیت نہیں بلکہ ہمہ مذہبی لادینیت ہے۔ اور اب اس نظام کے علمبردار اسلام کے مذہبی تصور کے حامل مسلمانوں کو اسلام کو بحیثیت دین ماننے والے مسلمانوں کے ساتھ ٹکرا دینا چاہتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے علماء کی اکثریت بھی اسلام کو ایک مذہب کی حیثیت سے جانتی ہے۔ اس پس منظر میں مسلمانوں اور اسلام کا مستقبل بہت تاریک ہے۔ مگر راقم اس مایوسی کے اندھیاروں میں قرآن حکیم کی تعلیمات کے منطقی نتائج اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کردہ خبروں کی بنیاد پر پوری طرح پُر امید ہے کہ اسلام کے دشمنوں کے منصوبے خاک میں ملیں گے اور اسلام بحیثیت دین پوری دنیا پر غالب ونافذ ہوگا' بقول علامہ اقبال۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

(شائع شدہ روزنامہ جنگ)

سلطنتِ عثمانیہ کا عروج و زوال

سید قاسم محمود

اِسے حُسنِ اتفاق ہی کہنا چاہیے کہ ''ندائے خلافت'' اور اُس کے بڑے بھائی ''میثاق'' دونوں ہی بیک وقت کچھ عرصے سے عالم الاسلام کے ضمن میں ملکوں ملکوں' طرح طرح کے 'معلومات افروز مضامین کی اشاعت کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔ لیکن دونوں سلسلہ ہائے مضامین میں ایک فرق بھی ہے' جس کے باعث توقع کی جاتی ہے کہ قارئین محترم دونوں جرائد کی طرف توجہ رکھتے ہوں گے۔ ''میثاق'' میں شائع ہونے والے مضامین میں ردیف وار ترتیب کے مطابق موجودہ مُسلم ممالک کی تاریخ' سیاست' معیشت اور حالات حاضرہ پر روشنی ڈالی جاتی ہے' جبکہ ''ندائے خلافت'' والے مضامین میں خطہ وار مسلم ممالک میں' غیر ملکی استبداد سے آزادی کی تحریکوں' بالخصوص اسلام کے احیاء و تجدید کے مقصد' سے برپا ہونے والی تحریکوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔

اب کہ جب ہم ''ندائے خلافت'' میں جنوبی افریقہ کے خطے کی احیائی و اصلاحی تحریکوں سے فارغ ہو کر ایک بہت بڑے ملک ترکی میں داخل ہو رہے ہیں تو ''میثاق'' میں ترکی کی تاریخ و سیاست کا مضمون ختم ہو رہا ہے اور ہم اُس کے آئندہ شمارے کے لیے تنزانیہ جانے کی تیاری کر رہے ہیں' کیونکہ ردیف وار ترتیب کی رُو سے ترکی کے بعد تنزانیہ ہی کا نام او آئی سی کی فہرست میں درج ہے۔ ترکی اسلامی خلافت کا آخری مرکز تھا۔ خلافتِ عثمانیہ عالمِ اِسلام کا محور رہی تھی' لہٰذا ''میثاق'' میں جو مضامین اِس کی سیاست و تاریخ پر شائع ہوئے اُن کی تعداد دس تھی' جو جولائی 2006ء سے اپریل 2007ء تک کے شماروں میں شامل رہے۔ اب ''ندائے خلافت'' میں ترکی میں اسلامی احیائی تحریکوں کا بیان شروع ہو رہا ہے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سلسلہ کہاں تک دراز ہو گا' کیونکہ سقوطِ خلافتِ عثمانیہ (1924ء) سے اب تک اگرچہ صرف پون صدی کا قصہ ہے' لیکن مصطفٰے کمال پاشا کی حد سے زیادہ مغربیت نے وہاں اسلام کو جو نقصان پہنچایا تھا' اُس کا ازالہ کرنے کے لیے مسلمانانِ ترکیہ اور بالخصوص اُن کے مشاہیر مجتہدین نے جو جہاد و اجتہاد کیا ہے' اُس کا بیان اختصار پسندی کے باوجود طویل ہو جانا قدرتی امر ہے۔

''ندائے خلافت'' کے جو قارئین ''میثاق'' میں شائع ہمارے مذکورہ دس مضامین کا مطالعہ نہیں کر سکے' اُن کی سہولت کے لیے اُن کا ایسا خلاصہ یہاں دو قسطوں میں پیش کیا جا رہا ہے کہ خلافتِ عثمانیہ کی مختصر تاریخ احیائی تحریکوں کے زاویہ نظر سے پیش کی جائے۔ (س ق م)

سلطنت عثمانیہ عالم اسلام کی ایک بہت پائیدار اور وسیع سلطنت تھی جو تاریخ اسلام میں ترکی زبان بولنے والی ایک قوم نے قائم کی اور جو اسلامی عروج کی متاخر صدیوں میں صورت پذیر ہوئی۔ اس سلطنت کا اصلی مرکز ایشیائے کوچک تھا جو اسلامی دنیا کے انتہائی شمالی مغربی گوشے میں واقع ہے۔

اِس سلطنت کی تاریخ کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1۔ پہلا دور عثمان اول (1299 تا 1326ء) سے شروع ہو کر جولائی 1413ء میں اُس وقت ختم ہوا جب بایزید یلدرم کے لڑکے محمد نے اپنے بھائی موسیٰ پر فتح پائی۔ اُس زمانے میں ہندوستان میں خاندانِ تغلق کے سلاطین کی حکمرانی تھی۔

2 مارچ 1924ء کو مجلس ملی کبیر نے ایک فرمان کے ذریعے خلافت کو بھی منسوخ کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی عبدالمجید اور آل عثمان کے تمام افراد کو ترکی سے جلاوطن کر دیا گیا۔

2۔ دوسرا دور 1443ء سے 1566ء تک چلا۔ یہ دور توسیع و ترقی کا دور ہے' جس میں سلطنت اپنی انتہائی وسعت' ترقی اور عروج کو پہنچی' جب ہندوستان میں بھی سلطنت مغلیہ اپنے عروج پر تھی۔ اس دور کے اہم سلاطین محمد اول' محمد ثانی فاتح' بایزید ثانی' سلیم اول اور سلیمان اول قانونی ہیں۔

3۔ تیسرے دور میں سلطنت عثمانیہ ممالک محروسہ پر قابض رہی' تا آں کہ ہنگری اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ دور سلطان سلیم ثانی (1566-1574ء) سے لے کر مصطفیٰ ثانی (1695ء-1703ء) تک جاری رہا۔

4۔ چوتھے دور میں سلطنت بتدریج کمزور ہوتی گئی اور قومی باج گزار امیروں نے اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہ دور سلطان احمد ثالث (1703-1730ء) سے لے کر سلطان محمود ثانی (1808-1839ء) تک جاری رہا۔ جس رفتار سے سلطنتِ عثمانیہ کو زوال آ رہا تھا' اُسی رفتار سے سلطنتِ مغلیہ کو بھی ضعف آ رہا تھا۔

5۔ پانچواں دور تنظیمات کا ہے' جس میں مغربی تہذیب و تمدن اور نظام حکومت کے اثرات نے سلطنت کی روایات و اقتدار' طرز فکر اور نظم و نسق کو تہ و بالا کر دیا۔ اس دور کے خلفاء یہ ہیں: عبدالمجید (1839-1861ء)۔ عبدالعزیز (1861-1876ء)۔ مُراد خامس (1876ء)۔ عبدالحمید ثانی (1876-1909ء)۔ محمد خامس (1909-1918ء)۔ محمد سادس (1918-1922ء)۔ 29 اکتوبر 1923 سے مصطفیٰ کمال پاشا کی صدارت میں جمہوری حکومت قائم ہوئی۔

سلطنت عثمانیہ کی حدود

سلطنت کے بانی اپنی اصل کے لحاظ سے خانہ بدوش ترکمان اور قبیلہ قائی سے تعلق رکھتے تھے' جو اغوز ترکوں کی ایک شاخ ہے۔ ابتدا میں ریاست کی تاریخ اناطولیہ کی دیگر ہم عصر ریاستوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ عثمان اول کی وفات کے وقت اُس کی مملکت کی مشرقی سرحد دریائے سقاریہ تک' اور جنوب میں ''اسکی'' شہر تک جا پہنچی تھی۔ ازنِق' ازنیق مید اور بروصہ سلطان اُورخان کے عہد (1330ء) میں فتح ہوئے۔ اور اُسی وقت بروصہ صدر مقام قرار پایا۔ یہ ترکمانی سنی علماء کے اثرات و کردار سے بتدریج متاثر ہوئے اور اسی پر سلطنت عثمانیہ کے بالعدارتقا کی بنیاد پڑی۔

سلطان محمد ثانی نے 1453ء میں قسطنطنیہ فتح کیا اور 1461ء میں طرابزون کی سلطنت کو سر کر کے اناطولیہ کی فتح کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اِن فتوحات کا اثر ترکوں اور اہل یورپ پر گہرا پڑا تھا۔ اُس کی وفات تک بلقان کا سارا جزیرہ نما سلطنت عثمانیہ کے زیرِ نگیں آ چکا تھا۔ جزیرہ روڈس کے سوا' بحیرہ ایجہ (Aegean Sea) کے مجمع الجزائر کو بھی اس طریقے سے سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا۔ اور دریائے ڈینیوب کی ریاستیں ولیکیا اور مولڈیویا' اور 1475ء سے خان کریمیا کی ریاست بھی باج گزار رہیں۔ اس دوران میں یورپ کی سیاسی ریاستیں سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف سازشیں کرتی رہیں' مگر کوئی خاص نقصان نہ پہنچا سکیں۔ سلیمان اول کے دور میں ہنگری کی مملکت کا بیشتر حصہ فتح کر لیا گیا۔ روڈس بھی مقبوضہ علاقے میں شامل کر لیا گیا۔ ایشیائی محاذ پر عراق بھی فتح ہو گیا' اور سلیمان کو ''سلطان البرین والبحرین'' کہا جانے لگا۔

فتوحات کے اِس دوسرے دور میں مملکت کا اندرونی

مذہبی اور تمدنی ارتقا بھی حیرت انگیز تھا۔ مسلمانوں میں اسلامی اقدار سے محبت کا جذبہ مستحکم ہُوا۔ فقہاء کی ایک بڑی تعداد مشرقی ممالک سے سلطنت کے جدید تمدنی مراکز میں آ بسی۔ صوفیہ اور اُن کے مختلف سلسلوں کے درویشوں کو عام مقبولیت حاصل ہوئی۔ مراد ثانی کے عہد میں ''شیخ الاسلام'' کے منصب کو پہلی بار نمایاں اہمیت حاصل ہوئی اور بعد میں نئے قوانین نے بھی اس منصب کی باقاعدہ توثیق کردی۔ انتہا پسند شیعیت کے خفیہ میلانات کے خلاف مجادلہ جاری رہا اور اس مجادلے نے کئی بار حکومت کے خلاف بغاوتوں کی صورت اختیار کی۔ سلیم اول کے دور میں شیعوں کو سختی سے دبا دیا گیا۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد عیسائیوں اور یہودیوں کو اپنے مذہبی معاملات میں خودمختاری دے دی گئی۔ ان غیر مسلموں سے مسلمانوں کا رویہ رواداری کے اصول پر مبنی رہا۔

سلطنتِ عثمانیہ کے تیسرے دور میں سلیم ثانی نے قبرص فتح کرلیا (1570ء)' مگر اس کے بعد ہی ایک بحری جنگ میں ترکوں کو شکست ہوگئی' جس کا نقصان سلطنت کی اندرونی کمزوری میں اضافے کی صورت میں انہیں اٹھانا پڑا۔ رفتہ رفتہ تبریز اور اریوان بھی اُن کے ہاتھ سے نکل گئے اور 1613ء میں انہیں ایران سے صلح کرنا پڑی۔ سولہویں صدی کے آخری دس سال میں ٹرانسلوانیا اور رومانیہ کی ریاستیں کچھ عرصے کے لیے خودمختار بھی ہوگئیں۔ مگر 1580ء میں انگلستان سے اور 1603ء میں ہالینڈ سے جو مراسم پیدا ہوئے' وہ بہ حیثیت مجموعی مفید ثابت ہوئے۔ سترھویں صدی میں قبرص کا الحاق ہُوا اور اس کے بعد کریٹ فتح ہوا جو ایک حیرت انگیز واقع تھا۔ سلطان مُراد رابع کے دور میں ایشیائی سرحد پر دوبارہ شوکت وجلالت قائم ہوئی' کیونکہ کافی عسکری طاقت بڑھ گئی تھی۔ اسی دور میں ٹرانسلوانیا اور ڈینیوب کی ریاستوں میں ترکی اقتدار کو مستحکم اور بحیرۂ اسود کی شمالی سرحدوں کو مضبوط کیا گیا۔ قازقوں سے آزوف چھین لیا گیا' مگر 1688ء میں صوبہ ہنگری ہاتھ سے نکل گیا اور آسٹریا کی فوجیں بلقان میں داخل ہوگئیں' اور آخر کار 1699ء میں کارلووٹز کا معاہدہ ہوا جس کی رُو سے ترکی کو پورے ملک ہنگری سے دست بردار ہونا پڑا۔ ٹرانسلوانیا کی سیادت کا دعویٰ ترک کرنا پڑا اور موریا پر یونان کا اقتدار تسلیم کرنا پڑا۔

اٹھارویں صدی میں زوال و انحطاط کے اسباب کا ناگزیر اثر سلطنت میں شدت سے محسوس ہونے لگا اور بیرونی طاقتوں نے زوال کے اسباب سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ اُس دور میں ایک نیا اور زبردست دشمن ''رُوس'' کی شکل میں نمودار ہوا جس کی سلطنت کافی وسیع ہو چکی تھی۔ رومانیہ اور سرویا کے آرتھوڈوکس عیسائیوں کو وہ اپنا نجات دہندہ معلوم ہونے لگا۔ 1768ء میں ترکوں کی فوجی کمزوری نمایاں ہوگئی' جب رُوس کے خلاف اعلانِ جنگ کیا گیا جس میں رُوسی فوجیں بلغاریہ کے اندر دُور تک گھس آئیں' آخر کار 1744ء میں ایک معاہدہ ہُوا' جس کی رُو سے کریمیا پوری طرح خودمختار ہوگیا' مگر 1783ء میں رُوس نے اُسے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ ڈینیوب کی ریاستوں پر رُوس کا حقِ حمایت تسلیم کیا گیا۔ 1776ء میں ایران سے جنگ ہوئی اور صوبہ عراق کا شہر بصرہ بھی ترکوں کے ہاتھ سے (عارضی طور پر) جاتا رہا۔ سلطنت عثمانیہ کو ایک بار پھر روسیوں سے آٹھ سالہ جنگ میں سخت نقصان اٹھانا پڑا' جس کا خاتمہ 1792ء میں صلح پر ہوا۔ 1802ء میں فرانس سے صلح نامہ طے پایا' جس کے بعد رُوس سے پھر جنگ چھڑ گئی اور انگریزوں سے بھی مخالفت پیدا ہوگئی۔ 1812ء کے بخارسٹ کے صلح نامے کی رُو سے سلطنت عثمانیہ کے ہاتھوں سے بسارابیا بھی روس کے قبضے میں چلا گیا۔ اس کے بعد یونان کی بغاوت کا صدمہ بھی اسے اٹھانا پڑا۔ 1820ء سے 1830ء تک چلنے والی تحریک بغاوت کے نتیجے میں یونان خودمختار ہوگیا' لیکن اس سے پہلے روس سے ایک اور تباہ کن جنگ لڑنا پڑی اور 1829ء میں ترکی کو ادرنہ کی صلح پر مجبور ہونا پڑا۔

پانچویں دور میں نظامِ حکومت میں جدید طریقے اختیار کیے گئے اور تنظیمات کے نفاذ میں زیادہ تر فرانسیسی طرز حکومت کو نمونہ بنایا گیا' تاکہ بلا تفریق مذہب براہِ راست حکومتِ عثمانیہ کے زیرِ فرمان' برابر کے سیاسی اور شہری حقوق تمام باشندوں کو حاصل ہوں۔ 1849ء کی جمہوری انقلابی تحریک کی' جو مولڈیویا اور ودلیکیا میں رونما ہوئی' ترکی اور رُوس دونوں نے یکساں طور پر مخالفت کی' لیکن اس کا نتیجہ ایک میثاق کی صورت میں نکلا' جس کی رُو سے اِن دونوں ریاستوں میں ترکی کا اقتدار برائے نام رہ گیا۔ 1883ء میں رُوسی یلغار کے بعد بیرونی طاقتوں کی دخل اندازی صرف سیاسی معاملات تک محدود نہ رہی' بلکہ اندرونی نظام حکومت کی بہت سی جزئیات میں بھی وہ مداخلت کرنے لگیں۔ اس قسم کی دخل اندازی اُن کے لیے ''امتیازات'' (خصوصی معاہدے) کی وجہ سے ممکن ہوئی' جسے 1914ء میں یورپی طاقتوں کے باہمی تصادم کے سبب ترکوں نے منسوخ کیا۔

1878ء کے معاہدے کے مطابق مونٹے نیگرو' سربیا اور رومانیہ قطعی طور پر عثمانیوں کے قبضے سے نکل گئے اور بلغاریہ کو ایک خودمختار حکومت کی صورت میں تبدیل کردیا گیا۔ قفقاز کی سرحد پر قارص اور باطوم بھی ترکوں کے ہاتھ سے نکل گئے اور جزیرۂ قبرص کے نظم ونسق سنبھالنے کا انگریزوں نے بندوبست کرلیا۔ انگلستان نے بھی 1882ء میں مصر میں اپنے سبز قدم جمالیے۔

1897ء میں ترکی اور یونان کے درمیان جنگ ہوئی جس میں یونان کو شمال کی جانب توسیع حاصل ہوئی۔

1898ء میں کریٹ جزیرہ خودمختار ہوا۔

1909ء میں سلطان عبدالحمید کی معزولی کے بعد بلغاریہ نے اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا اور آسٹریا نے بوسنیا اور ہرزیگووینا کا الحاق کرلیا۔

1912ء میں اٹلی سے جنگ ہوئی تو عہدنامہ لوزان کی رُو سے طرابلس کا علاقہ چھن گیا۔

1913 میں جنگِ بلقان میں یورپ میں ترکی کے مقبوضات صرف مشرقی تھریس (بہ شمول ادرنہ) تک محدود ہو کر رہ گئے۔

پہلی جنگِ عظیم (1914ء تا 1919ء) کے پہلے سال میں ترکی نے یورپ کی طاقتوں کا ساتھ دیا تو فرانس اور انگلستان نے پہلی مرتبہ اتحاد کرتے ہوئے ترکی کے علاقوں پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ فرانسیسی اور انگریزی افواج کی متفقہ کارروائی کے نتیجے میں فلسطین وشام کے تمام علاقے عثمانی فوج کے ہاتھ سے نکل گئے۔

1917ء میں شریف مکہ نے ''شاہ حجاز'' کا لقب اختیار کرکے اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا۔

1918ء۔ روس سے جنگ ختم ہوئی' مگر اتحادی فوجوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا۔ فرانس نے تمام شالی شام اور سلیشیا کا علاقہ ہتھیالیا۔ انگلستان نے شمالی عراق اور موصل کے غیر مفتوحہ علاقے بھی لے لیے اور اطالوی فوجیں اناطولیہ کے ساحل پر اتر آئیں۔ یونان کو مشرقی تھریس اور سمرنا (ازمیر) پر قبضہ کرنے کی اجازت مل گئی۔

1920ء۔ ترکی پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا اور اُس نے ''میثاقِ ملی'' منظور کرکے سخت رویہ اختیار کیا' مگر اگست میں ''عہدنامہ سیور'' پر ترکی کو دستخط کرنے پڑے' جس کی رُو سے سلطنتِ عثمانیہ کے رہے سہے علاقوں کے بڑے بڑے حصے بھی' جن میں قسطنطنیہ اور سمرنا شامل تھے' دوسروں کے تصرف میں چلے گئے۔

یہی وہ حالات تھے جب غیر ملکیوں کی دخل اندازی' خصوصاً یونانیوں کے سمرنا میں اُتر آنے کے خلاف منظم قومی مزاحمت وجود میں آ گئی۔ انجمن اتحاد وترقی اور مغرب نواز طبقوں کو عثمانی حکومت کے خلاف کھل کھیلنے کا زرّیں موقع میسر آیا اور انقرہ کی مجلس ملی کبیر نے یکم نومبر 1922ء کو حکومت قسطنطنیہ کی برطرفی اور سلطان محمد سادس وحید الدین کی معزولی کا اعلان کردیا۔ اس پر سلطنت عثمانیہ اور عثمانی خاندان کا چراغ گُل ہوگیا۔ قسطنطنیہ اور مشرقی تھریس پر انجمن اتحاد وترقی کی فوجوں نے قبضہ کرلیا اور آخری سلطان دارالخلافہ چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ شہر اب دارالخلافت بھی نہ رہا۔ عثمانی خاندان کا صرف ایک نشان باقی رہ گیا' اور وہ یہ کہ سلطان عبدالمجید بن سلطان عبدالعزیز خلیفہ کی حیثیت سے اِس شہر میں مقیم رہا' مگر 2 مارچ 1924ء کو مجلس ملی کبیر نے ایک فرمان کے ذریعے خلافت کو بھی منسوخ کردیا۔ اور اس کے ساتھ ہی عبدالمجید اور آلِ عثمان کے تمام افراد کو ترکی سے جلاوطن کردیا گیا۔ (جاری ہے)

حکمتِ عملی

ہارون الرشید

قوموں کو مقاصد کی اور قیادت کو یکسوئی اور یقین کی ضرورت ہوتی ہے' محض حکمت عملی کی نہیں۔ مقاصد بلند اور وابستگی سچی نہ ہو تو حکمت عملی ریاکاری کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔

سیاستدان پیچھے رہ گئے اور قانون دان آگے نکل گئے۔ لندن میں نواز' بے نظیر پریس کانفرنس اور پشاور میں وکلاء کنونشن کے مطالبات کا موازنہ کیجئے تو فوراً ہی احساس ہوتا ہے کہ قیادت کے اوصاف کس میں ہیں۔

منیر احمد ملک کے مطالبات بالکل واضح ہیں...... چیف جسٹس کے خلاف سرکاری ریفرنس غیر مشروط طور پر واپس لیا جائے' قومی حکومت تشکیل دی جائے' عدلیہ کی آزادی یقینی بنائی جائے' گرفتار وکلاء کو رہا کیا جائے' آزاد الیکشن کمیشن قائم کیا جائے اور نوے دن میں نئے الیکشن کرائے جائیں...... منیر ملک کا فارمولا کتنا اہم ہے' شاید اس پر کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں لیکن اتنی ہی اہم بات یہ ہے کہ ان کے مخاطب قانون دان ہیں اور پاکستانی عوام۔

اس کے برعکس محترمہ بے نظیر بھٹو کا مخاطب کون ہے؟ پاکستانی عوام سے زیادہ امریکہ بہادر ''اگر نیٹو کی افواج افغانستان اور عراق میں جمہوریت کے لئے قربانی دے سکتی ہیں تو پاکستان میں جمہوریت نظر انداز کیوں ہے''...... اخبارنویسوں کے مطابق نواز شریف زیادہ تر خاموش رہے اور بات کی تو محترمہ کی تائید میں کی۔ بے نظیر بھٹو کے پہلے دور اقتدار میں راجیو گاندھی اسلام آباد تشریف لائے' پاکستانی اخبارنویسوں نے پر سوالات کئے تو بھارتی وزیراعظم نے کہا کہ کشمیر کا مسئلہ حل ہو چکا...... پاکستانی وزیراعظم نے فقط مسکرانے پر اکتفا کیا۔ بے چارے نواز شریف مسکرا بھی نہ سکے۔ یہ بھی نہ کہہ سکے کہ ہماری امیدیں اپنے اللہ اور پاکستانی عوام سے وابستہ ہیں' واشنگٹن سے نہیں۔ قاضی حسین احمد اور عمران خان ہوتے تو شاید کہہ دیتے' لہٰذا اہتمام یہ ہے کہ اس قسم کے ''شرپسندوں'' کو دور ہی رکھا جائے۔

امریکی تھنک ٹینکس اور دفتر خارجہ میں ہر چیز راز نہیں ہوتی۔ وہ ایک قوم نہیں' بہت سی اقوام کا مجموعہ ہیں' جس طرح مغلوں کے عہد میں برصغیر تھا۔ مقامی لوگوں کے علاوہ پختون' ترک' ازبک' تاجک' عرب اور ان سے زیادہ ایرانی...... مباحث ہوتے ہیں اور اطلاعات چھن چھن کر اردگرد پھیل بھی جاتی ہیں...... امریکی دفتر خارجہ کے ذرائع یہ کہتے ہیں کہ چچا سام اس وقت پاکستانی سیاست اور صحافت پر جتنا سرمایہ صرف کر رہے ہیں' ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ سرمائے کی خوبی اور خرابی یہ ہے کہ وہ خود کو چھپا نہیں سکتا...... ناجائز روپیہ تو چیخ بھی اٹھتا ہے' جائز روپیہ بھی خود کو راز میں نہیں رکھ سکتا۔ وہ سیاسی پالیسیوں' ٹی وی کی نشریات اور اخبارات کی سرخیوں اور مضامین میں جھلک اٹھتا ہے...... وہ کہاں جھلک رہا ہے؟

تفصیل نہ پوچھ ہیں اشارے کافی
یونہی یہ کہانیاں کہی جاتی ہیں

ایک مشہور امریکہ نواز ''مفکر'' نے ایک جاپانی اخبار کے لئے اپنے تجزیئے میں لکھا ہے کہ نان کمیشنڈ افسروں کی سطح پر پاکستانی فوج مغرب کی حمایت اور مخالفت میں تقسیم ہو چکی ہے۔

تفصیل اخبارات میں چھپ چکی کہ امریکی پریس اور رہنما جنرل پرویز مشرف کا متبادل تلاش کرنے پر زور دے رہے ہیں۔ ایک مشہور امریکہ نواز ''مفکر'' نے ایک جاپانی اخبار کے لئے اپنے تجزیئے میں لکھا ہے کہ نان کمیشنڈ افسروں کی سطح پر پاکستانی فوج مغرب کی حمایت اور مخالفت میں تقسیم ہو چکی ہے...... خدا جانے اس بات میں کتنی صداقت ہے' فوج کا حال فوج والے جانیں۔ اخبارنویسوں کے پر جلتے ہیں اور صرف وہی لوگ اس موضوع پر اظہار خیال کر سکتے ہیں' نادیدہ ہاتھ جن کی حفاظت کر سکتے ہوں۔

کیا جنرل پرویز مشرف کے خلاف تحریک کے پیچھے امریکیوں کا ہاتھ ہے؟ میرے دوست نعیم طاہر شیخ کے سوا' شاید ہی کوئی اس مفروضے کو تسلیم کرے' چیف جسٹس کی برطرفی کا مشورہ اسلام آباد میں متعین امریکی سفیر نے بہرحال نہ دیا تھا۔ مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف عوامی تحریک کے بارے میں اس طرح کے دعوے کئے جاتے ہیں لیکن تاریخی شعور سے بہرہ ور اور سیاسی حرکیات کا ادراک رکھنے والا کوئی مبصر ان دعوؤں کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیتا۔ سامنے کی بات یہ ہے کہ جب اسلام آباد میں کسی حکومت کی جڑیں ہلتی ہیں تو فطری طور پر امریکی متحرک ہو جاتے ہیں۔ پاکستان' چین اور ایران کا پڑوسی ہے' افغانستان کے پختون علاقوں میں اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ پاکستان عالم اسلام کی واحد ایٹمی طاقت ہے۔ ظاہر ہے کہ امریکی انتظامیہ پوری طرح ادراک رکھتی ہے۔ جانتے تو پاکستانی حکمران اور سیاستدان بھی ہیں' لیکن یہ لوہے کے وہ بت ہیں' جن کے پاؤں مٹی سے بنے ہیں...... قائدانہ صلاحیتوں سے محروم قائد...... عافیت کوش!

امریکہ سے التجا کی کیا ضرورت...... فیلڈ مارشل ایوب خاں اور یحییٰ خاں کو پاکستانی عوام نے رخصت کیا تھا۔ جنرل ضیاء الحق کو بھی اس لئے منظر سے ہٹانا آسان ثابت ہوا کہ 29 مئی 1988ء کو محمد خان جونیجو کی برطرفی کے بعد' وہ باقی ماندہ اخلاقی اساس اور عوامی تائید سے مکمل طور پر محروم ہو چکے تھے' جو پیپلز پارٹی کے مخالف ووٹروں میں انہیں حاصل تھی۔

حکمت عملی ایک بہت اہم چیز ہے لیکن کتنی؟ اتنی ہی جتنا آٹے میں نمک ہوتا ہے...... نمک پاشی سے روٹی نہیں پکائی جاتی۔ اصل چیز نیت ہے اور وہ مقاصد جن کے لئے فرد اور گروہ بروئے کار آتے ہیں۔ انما الاعمال بالنیات کا مفہوم صرف یہ نہیں کہ قیامت کے دن جزا و سزا کا انحصار نیت پر ہو گا...... اس دنیا میں بھی کامیابی اور ناکامی کا آخری انحصار اسی پر ہے۔ مثال کے طور پر جنرل پرویز مشرف کی طرف سے دنیا میں پاکستان کا ''سافٹ امیج'' اجاگر کرنے کی حکمت عملی...... سات برس کی بہترین کوششوں کے بعد مغرب میں پاکستان کا تاثر کیا ہے؟ وہ طالبان کی مخالفت میں یکسو نہیں...... اس کے چیف جسٹس کو فوجی حکمران برطرف کر سکتا ہے...... کوچ کی پراسرار موت کے بعد اس کی کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی مشکوک قرار پائے ہیں اور تحفظ حقوق نسواں بل ایک لطیفہ لگتا ہے!

قوموں کو مقاصد کی اور قیادت کو یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے' محض حکمت عملی کی نہیں۔ مقاصد بلند نہ ہوں تو حکمت عملی ریاکاری کے سوا کچھ نہیں ہوتی اور بے نقاب ہو کر رہتی ہے۔ سر اٹھا کر دیکھئے' آپ کے سامنے بے نظیر بھٹو کھڑی ہیں اور منیر اے ملک جنہیں کل تک کوئی جانتا نہ تھا اور آج وہ بات کرتے ہیں تو قومی سطح پر غور و فکر کا آغاز ہو جاتا ہے...... فاعتبروا یا اولی الابصار! (بشکریہ روزنامہ ''نوائے وقت'')

☆ کیا ایک مسلمان کے لئے لاٹری میں حصہ لینا جائز ہے؟ ☆ اقامت اور نماز کے درمیان کتنا وقفہ ہونا چاہیے؟

☆ کیا وکلاء عدالت میں عادی مجرموں کی جانب سے مقدمات کی پیروی کر سکتے ہیں؟

☆ کیا خون کی منتقلی کی وجہ سے خون لینے اور دینے والے افراد میں شادی ہو سکتی ہے؟

قارئین ندائے خلافت کے سوالات کے قرآن و سنت کی روشنی میں جوابات

س: اقامت اور نماز کے درمیان کتنا وقفہ ہونا چاہیے۔ اگر کسی وجہ سے وقفہ زیادہ ہو جائے تو کیا اقامت دوبارہ کہی جائے گی۔ (محمد اسلم)

ج: اقامت کا مقصد مسجد میں منتشر افراد کو جماعت کی اطلاع دینا ہے۔ اس لیے اقامت اور جماعت کے درمیان اتنا وقفہ ہونا چاہیے کہ مسجد میں موجود افراد جمع ہو سکیں اور صف بندی مکمل ہو سکے۔ اگر کسی وجہ سے وقفہ زیادہ ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اقامت بھی دوبارہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔
اس بارے میں حدیث نبوی ﷺ ہے۔ ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں' فرمایا: نماز کے لیے اقامت کہہ دی گئی' صفیں درست ہو گئیں تو رسول اللہ تشریف لائے۔ جب آپؐ مصلی پر کھڑے ہوئے تو آپ کو یاد آیا کہ آپ جنبی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ پھر آپ واپس گئے' غسل کیا۔ پھر ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے۔ آپؐ نے اللہ اکبر کہا اور ہم نے آپ کے ساتھ مل کر نماز پڑھی۔" (صحیح بخاری)

یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ بخاری شریف میں دو مزید مقامات پر بھی آئی ہے اور کہیں بھی دوبارہ اقامت کہنے کا تذکرہ نہیں۔ اس لیے صفیں درست کرتے ہوئے یا کسی بھی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو پہلی اقامت ہی کفایت کر جائے گی۔ دوبارہ اقامت کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

س: کیا خون کی منتقلی کی وجہ سے خون لینے اور دینے والے افراد یا خاندان میں شادی ہو سکتی ہے؟ (محمد شاکر)

ج: خون لینے اور دینے والے افراد کے درمیان کسی قسم کا شرعی تعلق ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی ان افراد یا خاندانوں میں شادی کرنے میں کوئی رکاوٹ ہے۔ البتہ انتقال خون کے علاوہ اگر نسب یا رضاعت کا تعلق ثابت ہو جائے تو پھر باہم شادی نہیں ہو سکتی۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

ان الرضاعة تحرم ما يحرم من الولادة (صحیح بخاری)

"رضاعت (دودھ پلانا) ان تمام معاملات کو حرام کر دیتا ہے جن معاملات کو ولادت (نسب) حرام کرتا ہے۔"

س: گھروں میں کون سے جانور پالے جا سکتے ہیں؟ کیا گھر میں چوروں کے خطرہ کے پیش نظر کتا پالا جا سکتا ہے؟ (نواز احمد)

ج: وہ جانور جنہیں ہمارے معاشرے میں پالتو جانور کہا جاتا ہے' انہیں گھروں میں پالنا جائز ہے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم سے گھل مل جایا کرتے تھے' یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی سے کہتے۔ یا ابا عمیر ما فعل النغیر۔ اے ابو عمیر نغیر نے کیا کیا؟ (صحیح بخاری)

حضرت انس کے چھوٹے بھائی ابو عمیر نے ایک پرندہ نغیر پال رکھا تھا جو فوت ہو گیا تو رسول اللہ اس سے ازراہ مذاق پوچھتے نغیر نے کیا کیا ہے؟ آپؐ نے پرندہ پالنے سے منع نہیں فرمایا۔ ہاں' اگر جانور پالنے کے شوق کی وجہ سے دیگر واجبات کی ادائیگی میں خلل آتا ہو تو پھر یہ جائز نہیں ہے۔ مثال کے طور پر کبوتر بازی حرام ہے۔ اس میں بہت سی قباحتوں کے علاوہ جوئے کا بھی امکان ہے۔

اسی طرح گھر' کھیت' باغ کی حفاظت کے لیے تربیت یافتہ کتا رکھا جا سکتا ہے۔ مزید یہ کہ شکار کی غرض سے شکاری کتا رکھنا بھی جائز ہے۔

س: کیا وکلاء کا پیشہ جائز ہے؟ کیا وکلاء عدالت میں عادی مجرموں کی جانب سے مقدمات کی پیروی کر سکتے ہیں؟ (رشید اختر)

ج: صحیح فیصلے تک پہنچنے کے لیے قاضی یا جج کی بطور وکیل معاونت کرنا جائز ہے۔ وکالت کے پیشے سے مقصود صحیح فیصلے تک پہنچنے کی رہنمائی کرنا ہے۔ اگر کلائنٹ کے بارے میں پہلے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ مجرم ہے' تو اسے سزا سے بچانے کے لیے کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں۔ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان کے تحت یہ حرام ہے۔ البتہ اگر اس بات کا امکان ہو کہ مجرم کو اس کے جرم سے زیادہ سزا دی جائے گی تو اس اضافی سزا اور ظلم سے بچانے کے لیے اس کی پیروی کی جا سکتی ہے۔

س: کیا ایک مسلمان کے لئے چھوٹی یا بڑی لاٹری میں حصہ لینا جائز ہے؟ (نجم علی)

ج: ایک مسلمان کے لیے چھوٹی یا بڑی ہر قسم کی جدید یا قدیم شکل کی لاٹری میں حصہ لینا بالکل حرام ہے۔ یہ جوئے کی ایک شکل ہے' جسے قرآن نے نجس اور شیطانی عمل قرار دیا ہے۔ نجاست سے مسلمان کو بچنا ہی چاہیے۔

دعائے مغفرت

☆ رفیق تنظیم اسلامی محمد مسعود اقبال' جو قرآن کالج' لاہور میں لیکچرار ہیں' کے والد گزشتہ دنوں رضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔
☆ لاہور کینٹ کے رفیق تنظیم ڈاکٹر شبیر احمد کے سسر کا انتقال ہو گیا۔
دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)
رفقاء اور احباب سے بھی دُعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

دعائے صحت کی درخواست

☆ تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں کے ناظم دعوت عامر خان کے چھوٹے بھائی کو گولی لگی ہے' جس کی بنا پر اُن کا آپریشن ہونا ہے۔ وہ لیاقت نیشنل ہسپتال میں ایگزیکٹو وارڈ کے آئی سی یو میں داخل ہیں۔
☆ تنظیم اسلامی اولڈ سٹی کراچی کے ناظم بیت المال احمد موسیٰ کی ایک ٹانگ میں پھوڑا نکل جانے کی وجہ سے ایک آپریشن ہوا ہے۔
رفقاء و احباب سے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

کالم "تفہیم المسائل" میں سوالات بذریعہ ڈاک یا ای میل ایڈریس media@tanzeem.org پر بھیجے جا سکتے ہیں۔

تنظیم اسلامی کوئٹہ کے زیر اہتمام شب بیداری

الحمدللہ' تنظیم اسلامی کوئٹہ کے زیر اہتمام 24 فروری بروز ہفتہ شب بیداری کا پروگرام منعقد ہوا۔ اس پروگرام کو اُسرہ غربی کے رفقاء و نقیب نے بطور میزبان اُسرہ کے ترتیب دیا تھا۔ جس میں کوئٹہ تنظیم کے دیگر اُسرہ جات کے مبتدی و ملتزم رفقاء نے بھرپور شرکت کی۔ عصر کی نماز کے بعد علاقہ کے لوگوں کو درسِ قرآن میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ مغرب کی نماز کے بعد جناب عبدالسلام عمر نے ''دینی فرائض کا جامع تصور'' کے عنوان کے تحت درس قرآن دیا۔ جس میں مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں پر بھرپور روشنی ڈالی۔ اِس کے بعد امیر کوئٹہ خواجہ ندیم احمد نے اجتماعیت کے عمومی اور مسجد کے خصوصی آداب اور اعتکاف کے بارے میں بتایا۔ اِس کے بعد میزبان اُسرہ کے نقیب راقم الحروف نے تعلق باللہ کے موضوع پر گفتگو کی۔

نمازِ عشاء کے بعد اجتماعی کھانا ہوا جس کے بعد خواجہ ندیم احمد نے حزب اللہ کے اوصاف' اجتماعیت کی اہمیت' مغربی جمہوریت اور اسلامی نظم جماعت جیسے عنوانات کے تحت مذاکرہ کرایا۔ جس میں تمام رفقاء نے حصہ لیا۔ رفقاء نے رات مسجد میں ہی بسر کی۔ تہجد کی نماز کے بعد قرآن مجید کی آخری دس سورتوں کی تجوید و قرأت اور حفظ کا پروگرام مختلف گروپس بنا کر مکمل کیا گیا۔ نمازِ فجر کے بعد امیر کوئٹہ نے درس حدیث دیا۔ اِس کے بعد انفرادی دعوتی مسائل پر مذاکرہ ہوا' اور ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کیا گیا۔ اشراق کی نماز کے بعد ناشتہ کیا گیا۔ اور دُعا کے ساتھ ہی یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ اِس پروگرام میں 15 رفقاء اور 15 احباب نے شرکت کی۔ (مرتب: اقتدار احمد خان)

تنظیم اسلامی سیالکوٹ کے زیر اہتمام ایک روزہ تفہیم دین پروگرام

5 مارچ 2007ء کو نمازِ مغرب کے بعد قائد گرلز کالج سیالکوٹ میں تفہیم دین پروگرام منعقد کیا گیا۔ جس میں مرکز سے جناب رحمت اللہ بٹر اور جناب اشرف وصی نے شرکت کی' جبکہ حلقہ گوجرانوالہ کی نمائندگی چوہدری خادم حسین نے کی۔ بٹر صاحب نے اسلام کی حقیقت اور دین و مذہب میں فرق کو واضح کیا۔ انہوں نے کہا کہ زندگی دو طرح کی ہے: انفرادی اور اجتماعی۔ اسلام دین ہے جو انفرادی زندگی سے بھی بحث کرتا ہے اور اجتماع زندگی سے بھی۔ انہوں نے مختلف نظام (دین) ہائے زندگی پر روشنی ڈالی۔ جس میں آمریت (بادشاہت)' جمہوریت' سیکولرازم وغیرہ شامل تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم نماز روزہ کے پابند ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم پورے دین پر کاربند ہیں' بلکہ پورا دین اس وقت ہماری زندگیوں میں داخل ہوگا جب اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی نافذ العمل ہوگا۔ پورے دین کو نافذ کرنے کے لیے قوت کی ضرورت ہوتی ہے' جو اسی صورت میں ممکن ہے کہ لوگ اکٹھے ہو کر کسی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں یعنی جماعت بنائیں جو منصوص' مسنون اور ماثور بنیادوں پر قائم ہو اور بعینہٖ اسی انداز میں کام کرے جو سنتِ مطہرہ سے ثابت ہو۔

اس کے بعد احباب اور رفقاء کی تواضع کی گئی۔ نمازِ عشاء کے بعد محمد اشرف وصی صاحب اور فیصل وحید صاحب نے دعوت کے طریقہ کار کی وضاحت کی۔ رات ساڑھے دس بجے یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ (رپورٹ: اعجاز عنصر)

قصور میں سہ روزہ دعوتی پروگرام

پروگرام کے مطابق مرکزی ناظم دعوت چودھری رحمت اللہ بٹر صاحب کی قیادت میں 15 رفقاء بوقت دس بجے مسجد انوار التوحید قصور پہنچے۔ دوپہر کا کھانا کھایا۔ دعوت کے سلسلہ میں پروگرام تین دن مسجد مولوی عبدالغفور' مسجد چوک شہیداں' مسجد سید مبارک علی شاہ' اور مسجد میاں محمد اکبر میں جاری رہے۔ ان پروگراموں میں عبادت رب' شہادت علی الناس اور اقامت دین پر گفتگو ہوتی رہی۔ سہ روزہ لگانے والے رفقاء کی اکثریت قرآن کالج کے رفقاء پر مشتمل تھی۔

مسجد انوار التوحید سے تقریباً 4 کلومیٹر کے فاصلے پر کوٹ مراد خان میں دو مساجد' مسجد چوک شہیداں اور مسجد سید مبارک علی شاہ میں ممتاز بخت اور سجاد احمد نے دعوت پیش کی۔ اول الذکر میں 12 اور موخر الذکر میں 25 احباب شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ مسجد مولوی عبدالغفور میں محمد مشتاق اور مسجد شیخ محمد اکبر میں ممتاز بخت نے تقاریر کیں جس میں 20 اور 6 احباب شریک ہوئے۔ مسجد انوار التوحید اور مسجد مولوی عبدالغور میں قبل اور بعد نماز جمعہ بھی خطاب کے مواقع میسر آئے اور رحمت اللہ بٹر صاحب کا درس قرآن بھی ہوا۔ اللہ تعالیٰ تمام رفقاء کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ آمین!

(رپورٹ: شیخ نوید احمد)

بقیہ: اداریہ

لگانے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مکہ کی بے آب و گیاہ زمین کے یہ مکین قیصر و کسریٰ پر حاوی ہو گئے۔ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار پکڑ کر بحر و بر کو وہ روندتے چلے گئے۔ صحرا نہ جنگل نہ پہاڑ کوئی ان کے راستے میں حائل نہ ہو سکا' حالانکہ ہماری طرح اُن کے بھی دو ہاتھ دو پاؤں تھے' لیکن اُن کے قلوب قرآن کی دولت سے مزین تھے۔ اُن کے سامنے نبی کی سیرت تھی اور سنتِ رسول ﷺ اُن کا ہتھیار تھا۔ آج بھی ہمارے مسائل کا واحد حل یہ ہے کہ ہم اپنے قول و فعل کا تضاد دور کریں۔ ہماری زبانیں اگر حضور ﷺ کی نعت سے تر ہوں تو ہمارے افعال ارشادِ نبویؐ کے مطابق ہوں۔ ہم سنتِ رسول ﷺ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیں اور صرف ماہ ربیع الاوّل ہی نہیں ہر دن ہر شب کی نسبت حضور سے جوڑ دیں، کسی صورت اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو اور کبھی سنت رسول کا دامن ہمارے ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ ہماری زندگیاں اس بات کی گواہ ہوں کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

تنظیمی اطلاع

امیر تنظیم اسلامی نے مرکزی عاملہ کے اجلاس منعقدہ 15 مارچ 2007ء میں حلقہ سرحد شمالی کی مقامی تنظیم دیر میں دو سال مکمل ہونے پر امیر کے تقرر کے لئے رفقاء کی آراء اور امیر حلقہ کی سفارش کو مدنظر رکھتے ہوئے' اراکین عاملہ سے مشورہ کے بعد جناب لائق سید صاحب کو مقامی تنظیم کا امیر مقرر کیا ہے۔

توجہ کیجئے

گزشتہ شمارہ (نمبر 11) میں سکاٹ لینڈ میں مقیم 73 سالہ ڈاکٹر کے رشتے کے سلسلہ میں اشتہار شائع کیا گیا۔ شائع شدہ اِس اشتہار میں وہی رابطہ نمبر چھپا ہے' جو کہ اصل اشتہار میں دیا گیا تھا' مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ نمبر درست نہ تھا۔ قارئین سے درخواست ہے کہ اب اُس نمبر پر رابطہ نہ کریں۔ کوشش کے باوجود درست نمبر تا حال ہمیں موصول نہیں ہو سکا' جیسے ہی ملا' اُسے شائع کر دیا جائے گا۔ (ادارہ)

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں مقیم 23 سالہ دوشیزہ کشمیری خواجہ فیملی سے تعلق' تعلیم ایم ایس سی پارٹ ون (نفسیات) کے لئے دیندار فیملی سے برسرروزگار رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 042-5708668

☆ سیالکوٹ کے رہائشی رفیقِ تنظیم (راجپوت) کو اپنی سلیقہ شعار 20 سالہ بیٹی' تعلیم بی اے کے لئے برسرروزگار' (ترجیحاً رفیقِ تنظیم) لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ براہِ کرم صرف والدین یا سرپرست رجوع کریں۔

برائے رابطہ: 0300-6181519

☆ لڑکی' عمر 23 سال' تعلیم ایف۔ اے' باپردہ' نماز روزہ کی پابند کے لئے نیک صالح برسرروزگار (ترجیحاً رفیق تنظیم) لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 0333-4454503 0333-4909834

ایران پر نئی پابندیاں

سلامتی کونسل نے ایران پر نئی پابندیاں لگادی ہیں جو اس کی معیشت کو کچھ نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ تاہم وہ اس کے تیل کی صنعت کو متاثر نہیں کریں گی۔ یاد رہے کہ ایران تیل پیدا کرنے والا دنیا کا چوتھا بڑا ملک ہے۔ پابندیوں کے باعث ایران اب اپنا اسلحہ بیرون ممالک فروخت نہیں کرسکتا۔ نیز بین الاقوامی اداروں کو کہا گیا ہے کہ وہ ایران سے کاروبار ختم کر دیں۔ یہ پابندیاں امریکیوں کی ایما پر لگی ہیں جو ایران کا ایٹمی منصوبہ ختم کرانا چاہتے ہیں۔

برطانوی ملاح ایرانی قبضے میں

ایرانی بحریہ نے برطانوی شاہی بحریہ سے تعلق رکھنے والے پندرہ ملاح گرفتار کر لیے ہیں جو ایرانی پانیوں میں آ گئے تھے۔ برطانوی حکومت کا کہنا ہے کہ وہ غلطی سے ایرانی علاقے میں چلے گئے تھے۔ بہرحال ایرانی ان سے تفتیش کر رہے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ ملاحوں کے خلاف مقدمہ چلے گا۔

عرب لیگ کا اجلاس

سعودی عرب میں 28 تا 29 مارچ عرب لیگ کا اجلاس ہو رہا ہے۔ اس میں مسئلہ فلسطین پر بحث اہم ترین حیثیت رکھتی ہے۔ خیال ہے کہ اس اجلاس میں پھر اسرائیل کو یہ پیش کش ہوگی کہ وہ 1967ء کی جنگ میں قبضہ کیے گئے تمام علاقے خالی کر دے' تو عرب ملک اس سے سفارتی تعلقات بحال کر سکتے ہیں۔ اسرائیلی حکومت نے 2002ء میں یہ منصوبہ مسترد کر دیا تھا۔

پولینڈ میں احتجاج

پولینڈ کے نو سو فوجی افغانستان میں مختلف ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں اور جنگ کے آغاز سے چوبیس فوجی ہلاک ہو چکے ہیں۔ پچھلے دنوں وارسا میں کئی سو مظاہرین نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ افغانستان سے فوجی واپس بلائے جائیں۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ امریکا سے تعاون ختم کیا جائے جو پوری دنیا میں جنگ اور فساد کی علامت بن چکا ہے۔

طالبان کے حملے کا آغاز

طالبان نے جنوبی افغانستان میں سرکاری افواج پر حملے شروع کر دیے ہیں۔ پچھلے دنوں جھڑپوں میں سو سے زائد افراد ہلاک ہو گئے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اس موسم گرما میں طالبان جنوبی افغانستان میں اپنے قدم جمانے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ امریکی اور نیٹو فوجی ان کا کیونکر مقابلہ کرتے ہیں

گیس پائپ لائن اور امریکا

بھارت' ایران اور پاکستان کے مابین گیس پائپ لائن تعمیر کرنے کے سلسلے میں گفت و شنید ہو رہی ہے۔ اب امریکا کے وزیر توانائی' سام بوڈمین نے اعتراف کیا ہے کہ یہ پائپ لائن امریکی مفادات کے خلاف ہے۔ سام بوڈمین کا دعویٰ ہے کہ ایران کو اس اربوں ڈالر کے منصوبے سے جو رقم ملے گی' وہ اس کے ایٹمی منصوبے کی تیاری میں کام آئے گی۔ یاد رہے کہ بھارتی' ایران سے 2009ء تا 2034ء ہر سال پانچ سو ملین ٹن مائع گیس بھی خریدنا چاہ رہے ہیں۔

بہادر شاہ ظفر کی باقیات

1949ء میں بھارت کی بہادر شاہ ظفر میموریل سوسائٹی نے بھارتی حکومت سے درخواست کی تھی کہ وہ برما کی حکومت پر زور ڈالے' وہ آخری مغل بادشاہ کی باقیات رنگون سے بھارت روانہ کرے۔ اس پر بھارتی حکومت نے برما کی حکومت سے مطالبہ کر دیا۔ یہ معاملہ تب سے لٹکا چلا آ رہا ہے۔ اب بھارتی حکومت نے یہ مطالبہ ترک کرنے کا اعلان کیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ بہادر شاہ ظفر کے متوالے کس قسم کے ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔

قیدیوں کا تبادلہ

پچھلے دنوں طالبان نے اٹلی کا ایک صحافی گرفتار کر لیا تھا۔ اُسے رہا کرا لیا گیا ہے مگر امریکا اور یورپی ممالک کے لیے یہ خبر تشویش ناک ہے کہ پانچ طالبان گوریلوں کی رہائی کے بدلے اُسے برآمد کرایا گیا ہے۔ اتحادیوں کا خیال ہے کہ یہ اچھی مثال قائم نہیں ہوئی اور اس سے طالبان کے حوصلے بڑھ گئے ہوں گے۔

بنگلہ دیشی حکومت کا انوکھا اقدام

بنگلہ دیش میں آج کل بجلی کی بڑی قلت ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ شہریوں کو وافر بجلی مل جاتی ہے لیکن دیہات محروم رہتے ہیں۔ اس لیے پچھلے دنوں بنگالی دیہاتیوں نے زبردست مظاہرے کیے تھے کہ انہیں بھی بجلی کی معقول مقدار فراہم کی جائے۔ اب بنگلہ دیشی حکومت نے شہروں میں تمام دکان داروں اور تاجروں کو حکم دیا ہے کہ وہ شام سات بجے اپنے کاروبار بند کر دیں تاکہ دیہات میں بھی زندگی نشو ونما پا سکے اور کسان اپنے ٹیوب ویل چلا کر کھیتوں کو پانی دے سکیں۔ بنگالی کسان اپنی حکومت کے فیصلے سے خوش ہیں اور شہری دکان داروں نے بھی فیصلے کو تسلیم کر لیا ہے۔

مصر میں اذان پر پابندی

مصر کی سیکولر حکومت نے مساجد میں موذنوں کے اذان دینے پر پابندی لگا دی ہے۔ مصر کے ہزاروں موذنوں نے برسوں کی تربیت کے بعد درست لحن میں اذان کے الفاظ ادا کرنے کی صلاحیت حاصل کی تھی اور مساجد کی طرف سے انہیں تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں لیکن اب انہیں زندگی کے دوسرے شعبوں میں ملازمتیں ڈھونڈنی ہوں گی کیونکہ حکومت مصر کے ایک حالیہ فیصلے کے تحت تمام مساجد میں پنج وقتہ نمازوں کے اوقات میں بیک وقت ریڈیو پر ایک ہی آواز میں اذان نشر کی جائے گی۔

بقیہ: منبر و محراب

اور مشکل کشا بتایا ہے (نعوذ باللہ)۔ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے' جو کہ شرک ہے۔ اِسی طرح مسلسل اللہ کی نافرمانی کرنا' سرکشی کا مظاہرہ کرتے رہنا اور اللہ کے احکامات اور پاؤں تلے روندنا' یہ خیال کر کے کہ میرے گناہوں کا مجھ پر کوئی وبال نہ ہوگا' اللہ غفور و رحیم ہے' بخش دے گا' یہ بھی روحِ شریعت کے منافی ہے۔ یہ طرزِ فکر حقیقت کے اعتبار سے پورے قرآن کی نفی ہے۔ قرآن میں جا بجا ایمان کے ساتھ عملِ صالح کا تذکرہ آتا ہے۔ اہلِ تقویٰ کو کامیابی کا مژدہ سنایا جاتا ہے۔ اُن کے فلاح و کامرانی کا اعلان ہوتا ہے۔ یہ بتایا جاتا ہے کہ جو لوگ فلاں فلاں کام کریں گے وہی فوز و فلاح پائیں گے اور جو سرکشی کی زندگی بسر کریں گے اُن کے لئے آخرت میں جہنم کی آگ ہوگی' وہ سخت خسارے سے دوچار ہوں گے۔ کیا معاذ اللہ عملِ صالح اور تقویٰ کا تذکرہ یونہی کیا گیا ہے؟

اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ بولیں گے روزِ محشر اُن کا حال یہ ہوگا کہ غم اور مایوسی سے اُن کے چہرے سیاہ ہوں گے اور ایسے متکبرین کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

اِس کے برعکس اہلِ تقویٰ کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ﴾

''اور جو پرہیز گار ہیں اُن کی (سعادت اور) کامیابی کے سبب اللہ اُن کو نجات دے گا۔ نہ تو اُن کو کوئی سختی پہنچے گی اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔''

آخرت میں بدترین انجام سے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو بچائے گا جنہوں نے دنیا میں تقویٰ کی زندگی گزاری ہوگی۔ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اللہ کی ناراضی کے کاموں سے اپنے آپ کو بچائے اور جو لوگ یہ تقاضا پورا کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں جہنم کی آگ سے بچائے گا اور جنت میں داخل کرے گا' یہاں انہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ اِسی طرح اللہ ایسے لوگوں کو عالمِ برزخ کی مشکلات سے بھی نجات دے گا۔ اِس رکوع کی آخری آیت ہے:

﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴾

''اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگراں ہے۔''

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

In short, Iqbal fully understood and did his best to educate others regarding the three logical corollaries of the doctrine of Tawheed, that had a direct bearing on the Islamic System of Social Justice; Since all human beings are the creation of a single Creator, there is no inherent or congenital inequality on the basis of race, color, or gender; Absolute sovereignty belongs only to Almighty Allah (SWT), and human beings are His vicegerents who must not transgress the limits set by the Sovereign; and

The sacred right of absolute ownership belongs to Almighty Allah (SWT) alone, and human beings are only trustees who must not use anything they may find in their possession against the wishes of the rightful Owner.

As a logical upshot of the above understanding of the meaning of Tawheed, Iqbal made a forceful call for a revolution to replace the existing state of repression and exploitation with the Islamic System of Social Justice. In addition to his role in pinpointing the ultimate goal of the struggle for an Islamic state - which is the establishment of Justice - Iqbal also elucidated the methodology for bringing about the envisioned revolution.

According to Iqbal, the first stage in the process of an Islamic Revolution is to inculcate the teachings and the message of the Holy Qur'an. People must change from within before they can change the world. It is this internal and psychological revolution in the personalities of individuals that would cause any meaningful and stable change in the politico-socio-economic system. The only instrument that was employed for exhortation, admonition, purification of the soul, and reformation in the revolutionary struggle of Prophet Muhammad (SAW) was nothing but the Holy Qur'an.

In addition, there are two more components of the initial or preliminary phase of the revolutionary process, and these can be described as "organization" and "passive resistance." What is meant by "organization" is that all those who have accepted the revolutionary ideology - those who have consciously come to believe in the Qur'an - must be organized in the form of a party. This organization must be highly disciplined, since the task ahead is to replace a deeply entrenched corrupt and satanic system, and, therefore, the achievement of the proverbial army discipline of "listen and obey" is to be the goal of this organization. During the initial stages, when the number of dedicated and committed workers will be rather low, a policy of "passive resistance" is adopted. What is meant by "passive resistance" is that all persecution, whether verbal or physical, must be endured without any retaliation. There must not be any retreat of any kind; yet there must not be any revenge or counterstrike either, not even in self-defense. This perseverance and passive resistance must continue till the time when there is enough strength available, both in terms of the number of workers and their training, morale, discipline, and their willingness to sacrifice, that a challenge can be thrown to the defenders of the status quo.

The purpose of this fighting (or Qitaal) is for the cause of Allah (SWT), meaning the elimination of fitnah, the rule of falsehood, and establishment of the Kingdom of God on earth rather than a kingship or an empire. It was with a strong desire to revive the revolutionary teachings of Islam and to pave the way for an actual Islamic Revolution that Iqbal vehemently opposed the prevalent pantheistic trend in Islamic mysticism, which in his view was responsible for watering down the spirit of action and dynamism among the Muslims and had led to their pathetic state of virtual paralysis. Although Iqbal addressed the sufia as well as the ulama, and tried to wake them up from their deep slumber, it was actually the educated youth of Muslim that were the real target of his poetry. As disclosed recently by the late Dr. Burhan Ahmad Faruqi - Iqbal not only deeply felt the need for such a revivalist struggle but came very close to achieving this goal as well.

(Courtesy: The Statesman, The Post, The Nation)

بانی تنظیم اسلامی وصدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد کے اہم خطابات

VCDs اور DVDs میں دستیاب ہیں

(1) علامہ اقبال' قائداعظم اور نظریۂ پاکستان
اور اس نظریے سے انحراف کے نتائج 1 D.V.D / 3 V.C.Ds

(2) بعثت محمدیؐ کے مقاصد کی تکمیل
اور مسلمانانِ پاکستان کی ذمہ داریاں 1 D.V.D / 3 V.C.Ds

(3) علم کی حقیقت' اہمیت اور فضیلت 1 D.V.D / 2 V.C.Ds

(4) علامہ اقبال کی آخری خواہش 1 D.V.D / 2 V.C.Ds

قیمت فی V.C.D = 30 روپے' D.V.D = 75 روپے (علاوہ ڈاک خرچ)

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36-کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 5869501-3

Vol: 16 Regd. No. LRL -50 No. 12

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Dr. Israr Ahmad

Iqbal's Vision of Islamic Revolution

At the beginning of the 20th century, Allama Muhammad Iqbal played his momentous role in laying down the intellectual foundations of Islamic Renaissance. His revolutionary thought can be summarized as follows: In the first place, he proved that the intellectual and scientific progress that was achieved by the Europe during the last few centuries was actually a manifestation and unfolding of the Qur'anic spirit. According to Iqbal, it was the Qur'anic emphasis on observation and experience, which gave rise to the scientific method of inquiry. The Qur'an commanded to give up all superstitious and fanciful beliefs, to rely on the senses and the faculty of reason for gaining knowledge of the material world, and to contemplate the physical and natural phenomena because these are signs of Almighty Allah (SWT). He also proved that the concepts of political and economic rights of man, which seem to have been born and developed in the West, were in fact derived and borrowed from the teachings of Islam. Thus, to say that all human beings are born equal, that every human being has certain inalienable rights (especially the provision of basic necessities of life) concerning which there must not be any discrimination on the basis of gender, race, color, caste, or creed, and that all forms of exploitation - whether political or economic - must not be allowed to continue in a decent and humane society.

Two related achievements of Iqbal that we are going to discuss here are as follows: first, his challenge to the dominant Western thought and civilization, especially his forceful criticism and condemnation of two fundamental socio-political concepts of the West, i.e., secularism and territorial nationalism; secondly, the ingenious manner in which he reconstructed the Islamic revolutionary thought and presented the Islamic System of Social Justice on the highest intellectual level, harmonizing it with the highest ideals of human rights, as well as his presentation of a brief yet comprehensive description of the methodology for bringing about the envisioned Islamic Revolution.

Iqbal's ideas concerning secularism and territorial nationalism are so well known and crystal-clear that we need not go into their details. Secularism, according to Iqbal, is the biggest evil in today's world, and the separation of Divine guidance from state authority is the root cause of all corruption. Human sovereignty is kufr as well as shirk, irrespective of whether it manifests itself in the form of individual sovereignty (autocracy and kingship) or in the form of popular sovereignty (democracy and people's rule). Similarly, the modern concept of territorial nationalism constitutes a virulent and lethal disease, which, by causing discord and animosity among different groups of people and by producing mutual rivalry and antagonism, leads to a type of politics, which is devoid of morality and a kind of trade, which becomes an instrument of Imperialism. All this results in destruction and devastation of weaker nations at the hands of stronger ones.

Islam as such demands its followers to establish a complete constitutional framework as well as a politico-socio-economic system of Islam, which would become the starting point of a new global civilization. It is precisely this "threat" of Islam as a living force which is so repulsive to Satan and his agents as well as to the Jews and the WASP (White Anglo-Saxon Protestants) that even the slightest progress in this direction disturbs them in a most serious manner.

Iqbal was also cognizant of the fact that, in today's world, economic and financial matters have assumed central importance in the human society, and that man has now been reduced to Homo economicus for all practical purposes. Regarding the issue of "Capital", Iqbal made it clear that while Islam takes advantage of the human desire for profit and encourages investment as well as cultivates a healthy competitive environment, there is absolutely no chance whatsoever of the menace of capitalism taking root in a true Islamic society, as the very foundation of capitalism - interest or usury - has been strictly prohibited by the Qur'an. Iqbal recognized and expressed the immorality and vice of riba which was simply non-existent in the writings of any other scholar or intellectual.

Concerning the domination of "Feudalism", Iqbal asserted that this is in diametric opposition to the economic teachings of Islam. He passionately maintained that land, the source of sustenance for humans and animals, couldn't be the private property of kings or landlords. The earth belongs to Almighty Allah (SWT), and its productive capacities are meant by the Creator to be equally available to all those who are in need of it. The practice of absentee landlordism is not only highly cruel and unjust to the ill-fated farmer, but it is the principal cause of the concentration of politico-economic power in the hands of a few hundred families, which allows them to control the legislative and policy-making process with highly deleterious consequences for the nation. The credit for voicing the strongest condemnation of this in our times goes to Iqbal who, with a boldness that was unique to him, proclaimed that a revolution is needed to eradicate the evils of feudalism and absentee landlordism.